فرحت اشتیاق

میں نینا ہوں' نینا توقیر۔ اپنے ابا میاں کی بہت لاڈلی اور امی..... کیا بتاؤں' وہ مجھ سے کس قدر پیار کرتی تھیں۔ حالانکہ میں اکلوتی نہیں تھی۔ میرے چار بہن بھائی اور بھی تھے مگر پھر بھی میری بات الگ تھی۔ تو یہ بات نہ کبھی ابا میاں نے اپنے منہ سے کہی نہ امی نے 'مگر ان دونوں کی مجھ سے والہانہ محبت' میں پوری شدتوں سے محسوس کرتی تھی۔

ہمارا اکلوتا بھائی تھا' مجھ سے چار سال چھوٹا مگر اس کی بھی وہ اہمیت نہ تھی جو میری تھی۔

ہمارے ابا میاں بہت پڑھے لکھے اور قابل انسان تھے۔ وہ علی گڑھ یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے تھے۔ وہ بے حد حلیم اور شفیق انسان تھے۔ میری یادداشت میں ایسا کوئی واقعہ نہیں جب میں نے انہیں چیختے چلاتے سنا ہو۔ وہ بینک میں بہت اچھی پوسٹ پر فائز تھے۔

ہمارا ذاتی مکان تھا۔ جو بہت بڑا اور نہایت عالیشان تو ہرگز نہیں تھا مگر پھر بھی اس میں ہمارے لیے ضروریات زندگی کے تمام لوازمات موجود تھے۔ ہم سب بہن بھائی اچھے تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے تھے۔ امی اور ابا میاں کے اصول سے کبھی اختلاف نہ ہوا تھا۔ اس لیے ہمارے گھر میں کبھی روپے پیسے کے لیے جھگڑا نہیں ہوا۔ ابا میاں تو

مکمل ناول

بینک کی طرف سے گاڑی ملی ہوئی تھی مگر آفس کے کام کے علاوہ اسے استعمال کرنا ابا میاں نے بھی پسند نہ کیا۔ ابا میاں کو معمولی سا بخار ہوا تھا مگر وہ معمولی سا بخار ہی ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ سب کہتے تھے بخار تو بہانا ہے جب قضا آتی ہے تو اچھا بھلا صحت مند آدمی منٹوں میں ڈھیر ہو جاتا ہے۔

میں اس وقت گیارہ سال کی تھی۔ سہمی سہمی نظروں سے امی، عروبہ آپی اور فہمی کو روتے ہوئے دور سے دیکھتی رہتی تھی۔ نور بجو کو میں نے صرف ابا میاں کے انتقال والے دن روتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے بعد ان کی آنکھوں میں مجھے کوئی آنسو نظر نہ آیا۔ وہ سارا وقت امی کو، عروبہ آپی کو اور فہمی کو چپ کراتی رہتی تھیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے بڑا عجیب سا احساس ہوتا تھا جس طرح امی اور سب رو رہے ہیں، چیخ رہے ہیں۔ بین کر رہے ہیں۔ بجو کیوں نہیں کر رہیں۔

امی کچھ ہی عرصے میں برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھیں۔ جان سے زیادہ عزیز شوہر کی دائمی جدائی کے صدمے کے ساتھ ساتھ انہیں آنے والے کل کی بھی بہت فکر تھی۔ آگے کیا ہوگا؟ یہ ایک سوالیہ نشان تھا۔ ابا میاں کی ایمان داری نے اپنے ترکے میں یہ مکان اور اتنا بینک بیلنس چھوڑا تھا کہ ان کے سہارے کچھ ہی عرصہ گزارا جا سکتا تھا۔ میں اکثر امی کو بجو سے باتیں کرتے سنتی تھی۔ وہ دونوں ہی پریشان تھیں۔ ہم سب بہن بھائی چھوٹے تھے۔ سب کے تعلیمی اخراجات اور دیگر ضروریات کس طرح پوری ہوں گی۔

بجو اس وقت کراچی یونیورسٹی سے بی فارمیسی کر رہی تھیں۔ عروبہ آپی انٹر کا امتحان دے کر فارغ تھیں جبکہ فہمی، میں اور طہٰ تو ابھی اسکول میں تھے۔ عام طور پر اس طرح کی سچویشن میں رشتے داروں کا جو رویہ ہوا کرتا ہے وہی ہمارے رشتے داروں کا بھی تھا۔ شروع شروع میں سب ہی بڑی پابندی سے آتے رہے۔ پھر پھپھو، بڑی پھپھو، خالہ جان، تائی اماں مگر پھر آہستہ آہستہ سب کے آنے میں کمی آتی چلی گئی۔ صرف ماموں اور سالک بھائی ہی تو رشتے دار تھے جو تب بھی باقاعدہ ہمارے گھر آیا کرتے تھے۔

ممانی جان کو ماموں کا ہمارے گھر آنا جانا پسند نہ تھا اور وہ اکثر ان سے چھپ کر ہم لوگوں سے ملنے آیا کرتے تھے۔ وہ امی کی خوددار طبیعت سے واقف تھے۔ اس لیے براہ راست بہن کی مدد کرنے کے بجائے وہ کبھی مجھے اور کبھی طہٰ کو چاکلیٹ کھانے کے نام پر خوب سارے پیسے دے جاتے۔ کبھی ڈھیر سارے کپڑے اٹھائے چلے آ رہے ہیں۔

"ان کے بچوں کو پسند آ گئے تھے۔ سوچا آپ لوگوں کے لیے بھی لیتا چلوں۔" اور امی سمجھ تو جاتی تھیں مگر منہ سے کچھ کہتی نہیں تھیں۔

سالک بھائی بھی بالکل ماموں کی طرح تھے۔ شکل صورت سے لے کر عادتوں تک میں وہ ہو بہو ماموں جیسے تھے۔ ممانی جان اور اپنی دونوں بہنوں کے برعکس ان میں نخرا یا بناوٹ نام کو بھی نہیں تھی۔ وہ تب بی اے یا ایم اے کر رہے تھے اور اکثر نور بجو کو یونیورسٹی سے گھر ڈراپ کرنے کے بہانے ہمارے گھر آ جایا کرتے تھے۔ پھر ایک روز جب وہ بجو کو گھر ڈراپ کرنے آئے تو امی سے بولے۔

"پھپھو! میں نے صباح کے لیے بہت اچھی جاب دیکھی ہے۔ جاب کے ٹائمنگز ایسے ہیں کہ اس کی پڑھائی کا بھی حرج نہیں ہوگا۔"

وہ نور بجو کو صباح کہتے تھے۔ پتا نہیں کیوں۔ حالانکہ اور سب لوگ انہیں [illegible] ابا میاں بجو کو ان کے پورے نام نور الصباح سے پکارا کرتے تھے۔

امی نے ایک نظر سالک بھائی پر اور ایک نور بجو پر ڈالی جو سامنے والے صوفے پر مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھیں۔

"میرے دوست کی ممی اپنا ذاتی اسکول چلا رہی ہیں۔ میں نے وہاں صباح کے لیے بات کی ہے۔ ان کے اسکول کی دوسری شفٹ کے لیے سائنس کی ٹیچر کی ضرورت ہے۔ صباح یونیورسٹی سے وہاں چلی جایا کرے گی۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ ان کا اسکول یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ بس میں بیٹھے گی اور دو اسٹاپس کے بعد آرام سے اتر کر روڈ کراس کر کے پانچ منٹ میں گھر۔ آپ خود چل کر دیکھ لیجیے گا وہاں کا ماحول بہت اچھا ہے۔" وہ امی کا ہاتھ تھام کر بولے تھے۔

امی کو تذبذب میں دیکھ کر وہ پھر بولے۔ "پھپھو! اپنے

ذہن کو وسیع کریں۔ آپ کو خدا نے بہت اچھی بیٹی دی ہے۔ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتی ہے اور انہیں پورا کرنا چاہتی ہے تو پلیز آپ اس کا حوصلہ بڑھائیں۔"

وہ کتنی دیر تک بیٹھے امی کو قائل کرتے رہے تھے اور آخر کار امی کو ان کی بات ماننی پڑی تھی۔

رات میں، میں نور بجو کے کمرے میں اپنا سائنس کا جرنل لے کر گئی۔ مجھے ایک سوال سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور وہ ان سے سمجھنا تھا۔ وہ اور عروبہ آپی آپس میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ میں اور فہمی ایک کمرے میں سوتے تھے اور نور بجو اور عروبہ آپی ایک کمرے میں۔

"بجو! آپ کو جاب کی وجہ سے پڑھائی میں مشکل نہیں ہوگی۔؟"

عروبہ آپی نے بڑے متفکرانہ انداز میں پوچھا تھا۔ میں بھی ان لوگوں کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ نور بجو میرے ساتھ بالکل بچوں جیسا سلوک کرتی تھیں، پیار سے میرا ماتھا چومتے ہوئے بولیں۔

"گڑیا! آ جاؤ۔ کیا کام ہے؟" میں نے جرنل ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ وہ اس پر نظریں دوڑاتے ہوئے عروبہ آپی کی بات کے جواب میں بولیں۔

"ان شاء اللہ کوئی مشکل نہیں ہوگی۔"

"لیکن بجو! ماموں بہت ناراض ہوں گے۔" عروبہ آپی تشویش سے بولیں۔

"ہاں مجھے اندازہ ہے۔ ماموں سے اگر میں جاب وغیرہ کے بارے میں بات کرتی تو وہ بھی نہ مانتے۔ ابھی بھی جس طرح ماموں بہانے سے پیسے دے جاتے ہیں۔ مجھے وہ بالکل اچھا نہیں لگتا۔ میں نے سالک سے ذکر کیا تھا کہ وہ میرے لیے کوئی جاب دیکھے اور اس نے ایک ہفتے کے اندر اندر ہی میرا مسئلہ حل کر دیا۔"

نور بجو عروبہ آپی کو جواب دے کر مجھے سائنس سمجھانے بیٹھ گئی تھیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

سالک بھائی نے شاید خود ہی ماموں سے بات کر لی تھی۔ اگلی بار وہ جب آئے تو بالکل ناراض نہیں تھے بلکہ بڑے خوشگوار موڈ میں ہم سب کے ساتھ گپ شپ کرتے رہے تھے۔ نور بجو نے اسکول جوائن کر لیا تھا اور اب وہ یونیورسٹی سے سیدھی وہیں چلی جایا کرتی تھیں۔ صبح کی گھر سے نکلی وہ شام کے واپس لوٹتیں تو ان کے چہرے پر کسی قسم کی تھکاوٹ کے کوئی آثار نہ ہوتے تھے۔ ہنستی مسکراتی ہم سب سے، امی سے دن بھر کی تمام باتیں کرتیں۔ آج گھر میں کون کون آیا، ہم لوگوں نے کیا کھایا۔ ہم لوگوں کا اسکول میں دن کیسا گزرا۔ ہوم ورک میں کیا ملا۔ وہ ایک ایک سے دن بھر کی روداد بالکل ابا میاں کی طرح پوچھا کرتیں۔ ایسے ہی وہ بھی آفس سے آ کر ہم لوگوں سے باتیں کیا کرتے تھے اور امی یا عروبہ آپی ان سے ان کے دن بھر کا احوال پوچھتیں تو وہ کہتیں۔

"ہاں بہت اچھا دن گزرا۔ ایک دم فرسٹ کلاس۔"

"پھر بھی بیٹا! تھک گئی ہوگی۔ صبح آٹھ بجے کی گھر سے نکلی اب شام کو واپس آئی ہو۔ اس گرمی میں مارا مارا پھرنا آسان تو نہیں۔" امی کے چہرے پر اداسی چھا جاتی تھی۔

"اوہو امی! آپ بلاوجہ پریشان ہوتی ہیں۔ تھکنے کی بات ہی کیا ہے۔ یونیورسٹی میں اپنی بادشاہت ہے، دل چاہا پڑھا، دل چاہا کینٹین پر بیٹھ کر دوستوں کے ساتھ گپیں ماریں۔ کولڈ ڈرنک پی، رول کھائے اور پھر آرام سے اسکول۔ اور اسکول میں کون سے ہل جوتنے پڑتے ہیں۔ اتنے مزے کی جاب ہے۔ بس بچوں میں بیٹھے بیٹھے مفت کے پیسے مل رہے ہیں۔"

وہ امی کے گلے میں بانہیں ڈال کر مسکراتے ہوئے کہتیں اور امی خاموشی سے ہم سب کی نظروں سے اپنے آنسو چھپا لیتیں۔ ان دنوں پتا نہیں امی کو کیا ہو گیا تھا۔ وہ بجو کا کچھ ضرورت سے زیادہ ہی خیال رکھنے لگی تھیں۔ یہاں تک کہ اکثر مجھے بھی نظر انداز کر دیا کرتی تھیں۔ سارا دن ان کا دھیان بجو ہی کی طرف رہتا تھا۔

وہ ہم سب سے زیادہ اہمیت بجو کو دینے لگی تھیں۔ ہر بات میں بجو کی رائے کو اولیت دی جانے لگی تھی۔ یہاں تک کہ کھانے میں کیا پکنا ہے۔ یہ بھی امی بجو ہی سے پوچھتی تھیں اور بجو جواب میں

"امی! جو آپ کا دل چاہے پکا لیں۔ اچھا ایسا کرتے ہیں، آج جو طہٰ کہے گا وہ پکے گا یا جو آج فہمی کہے گی وہ پکے گا۔"

اور میں، جو کچھ دیر پہلے امی کے بہت پیچھے لگی ہوئی تھی

کہ آج بریانی پکائیں۔ ایک دم خاموش ہو جاتی تھی۔ میرے بجائے طہٰ ہی اپنی کوئی نہ کوئی فرمائش بتا دیا کرتا تھا۔ بجو نے میرا نام لیا تو امی میری پسند پوچھیں گی ویسے میری پسند ناپسند کی کوئی اہمیت نہیں۔ میں بعد میں گھنٹوں کڑھتی رہتی تھی۔ چھٹی کا دن ہوتا اور میں اور طہٰ اپنے محلے کے دو چار فرینڈز کے ساتھ لان میں کرکٹ یا ٹینس کھیل رہے ہوتے تو اکثر امی آکر ٹوکا کرتیں۔

"کتنا شور کر رہے ہو تم لوگ۔ ایک ہی تو دن ملتا ہے نور کو آرام کا۔ ذرا سی اس کی آنکھ لگی ہے اور تم سب نے طوفان اٹھا دیا۔ نینا! تم تو بڑی ہو۔ تمہیں تو بہن کا خیال کرنا چاہیے۔"

امی کہہ کر چلی جاتیں اور پھر اس کے بعد میرا کئی دن تک کھیلنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ عروبہ آپی نے تھرڈ ایر میں ایڈمیشن لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ بھی بجو کی طرح جاب کرنا چاہتی ہیں۔ امی سے زیادہ اس بات کی مخالفت نور بجو نے کی تھی۔

"صرف انٹر کی کوئی ویلیو نہیں ہے۔ پہلے گریجویشن کر لو پھر جہاں دل چاہے جاب کر لینا۔"

ان کی بات پر عروبہ آپی نے جواباً بڑے غصے سے کہا تھا۔ "گریجویشن تو ابھی آپ نے بھی نہیں کیا ہے۔"

"میں بڑی ہوں۔ ایسا کرنا میری ذمہ داری تھا۔" وہ بڑے تحمل سے بولی تھیں۔

"آپ بڑی ہیں تو میں بھی کاکی تو نہیں ہوں۔ آپ سے صرف دو سال چھوٹی ہوں۔" وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھیں۔

"عروبہ! ابا میاں ہم سب بہن بھائیوں کو اعلا تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے تھے۔ کیا تم ان کے خوابوں کو اس طرح توڑو گی اور جہاں تک میری بات ہے تو میری پڑھائی تو ساتھ ساتھ جاری ہے۔ میں نے پڑھنا چھوڑا تو نہیں۔"

اگلے روز وہ زبردستی عروبہ آپی کو اپنے ساتھ لے جاکر ان کا ایڈمیشن فارم لے آئی تھیں۔ [illegible] ان کا ایڈمیشن ہو گیا اور انہوں نے کالج جانا شروع کر دیا تو نور بجو نے سکون کا سانس لیا۔ مجھے پتا نہیں کیوں ان کی اس حرکت میں خود نمائی کا پہلو نظر آیا۔ ایسا لگا جیسے وہ اپنے مقابلے میں کسی اور کو آگے نہیں آنے دینا چاہتیں۔ ظاہر ہے اگر عروبہ آپی بھی جاب کرنے لگتیں تو نور بجو کی ویلیو کم ہو جاتی، [illegible] رہتے گی جواب ہے۔ پھر امی ہر وقت اٹھتے بیٹھتے یہ تو نہیں کہا کریں گی کہ "میری بیٹی بہت محنت کر رہی ہے۔" یا یہ کہ "میری نور تو ہیرا ہے ہیرا۔ ایسی بیٹی تو قسمت والوں کو ملتی ہے۔" اسی لیے انہوں نے عروبہ آپی کو زبردستی ان کی مرضی کے خلاف ایڈمیشن دلوا دیا تھا۔

میں آہستہ آہستہ نور بجو سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ اب میں پڑھائی میں ان کے بجائے عروبہ آپی سے مدد لینے لگی تھی۔ فہمی اور طہٰ تو تھے ہی بجو کے چمچے۔ وہ شام میں گھر آتیں تو ان کے گلے کا ہار بن جاتے۔

فائنل ایگزامز کے بعد ہمارے اسکول والے ہم لوگوں کو پکنک پر لے جا رہے تھے۔ امی نے پیسوں کا سن کر ہم تینوں کو پکنک پر بھیجنے سے صاف انکار کر دیا۔ فہمی پاگل تو پہلے ہی منع کر رہی تھی حالانکہ مجھے پتا تھا کہ دل اس کا بھی چاہ رہا ہے بس پیسوں کی وجہ سے انکار کر رہی ہے۔ نور بجو نے طہٰ کی ناراض شکل دیکھی تو فوراً اسے اپنے برابر میں بٹھاتے ہوئے بولیں۔

"کیا ہوا، کسی نے کچھ کہا ہے؟" وہ ہم سب سے زیادہ طہٰ کا خیال رکھتی تھیں شاید وہ چھوٹا تھا اس لیے۔

طہٰ نے روتے ہوئے جھٹ ساری بات بجو کو بتا دی تھی۔ طہٰ کے آنسو صاف کرتے کرتے پتا نہیں بجو کو کیا ہوا تھا۔ وہ ایک دم اٹھ کر اندر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ ہم [illegible] بیٹھے ہوئے تھے۔ امی فوراً [illegible] میں اور فہمی بھی امی کے پیچھے پیچھے گئے کہ کیا ہوا ہے۔ اندر سے بجو کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔

"امی پلیز، ان لوگوں کو کسی چیز کے لیے منع مت کیا کریں۔ خاص طور پر طہٰ اور نینا کو۔ وہ دونوں ابھی چھوٹے ہیں۔ انہوں نے تو ابا میاں کی محبت اور شفقت کا وہ ذائقہ بھی محسوس نہیں کیا تھا جو ان کا حق تھا کہ ان سے سب کچھ چھین لیا گیا۔ امی یاد ہے، آپ کو ابا میاں مجھے اور عروبہ کو اسکول کی کسی ایکسٹرا ایکٹیوٹی میں حصہ لینے سے کبھی بھی نہیں روکتے تھے۔ آپ بھی انہیں مت روکیں۔"

ابا میاں کے انتقال کے بعد میں نے انہیں روتے ہوئے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ میرے برابر میں کھڑی فہمی اور اندر بجو کو چپ کراتی امی دونوں ہی بری طرح رو رہی

تھیں۔ میرے دل میں جو اتنے دنوں سے بجو کی طرف سے عجیب و غریب گمان پیدا ہونے لگے تھے، وہ اچانک کچھ دھندلا سے گئے تھے۔

پھر ہم لوگ بڑی ہنسی خوشی پکنک پر گئے تھے اور وہاں بہت انجوائے بھی کیا تھا۔ پکنک سے واپس آئے تو ماموں آئے بیٹھے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھ کر شفقت سے مسکرائے۔

"کہیں بھئی بچوں، مزہ آیا۔" ہم تینوں اثبات میں سر ہلاتے اندر کی طرف بڑھے تو پیچھے سے امی کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

"میں تو منع کر رہی تھی کہ کیا ضرورت ہے، مگر نور اڑ گئی۔ دیکھیں ناں بھائی! اب وہ حالات تو نہیں جو نور اور عروبہ کے اسکول کے دنوں میں تھے۔ میں چاہتی ہوں، بچے ان حالات سے سمجھوتا کر کے اسی میں خوش رہنا سیکھیں۔ مگر اس لڑکی کا کیا کروں۔ اپنے جمع کیے ہوئے پیسوں میں سے [illegible] ان تینوں کی پکنک [illegible] ایک ایک پیسہ احتیاط سے خرچ کرتی ہے [illegible] اتنا صبر، اتنا ایثار اس میں کہاں سے آ گیا ہے۔" امی چپکے سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"اس میں رونے کی کیا بات ہے، صغرا! تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ خدا نے اتنی سعادت مند اور نیک بچی تمہیں دی ہے۔" ماموں امی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے بولے تھے۔

طہٰ اور فہمی تو پہلے ہی اندر جا چکے تھے۔ میں سیڑھیوں پر کھڑی ان لوگوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ کمرے میں آکر بھی کتنی دیر تک میں چپ چاپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔ امی ہر وقت بجو کی تعریفیں کیوں کرتی رہتی ہیں۔ انہیں ہم میں سے کسی کی کوئی پروا نہیں رہی۔ ابا میاں اچانک مر گئے اس میں ہم میں سے کسی کا کیا قصور ہے۔ اگر نور بجو یونیورسٹی میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ جاب کر رہی ہیں تو اپنی خوشی سے کر رہی ہیں۔ ہم میں سے تو کسی نے ان سے التجا نہیں کی تھی کہ وہ ہمارے لیے کما کر لائیں۔ امی بچوں میں فرق کرنے لگی ہیں۔ پکنک کا سارا مزہ کرکرا ہو گیا تھا۔ مجھے اب اپنے پکنک پر جانے پر غصہ آ رہا تھا۔ پتا نہیں اب امی کتنے دنوں تک ان پیسوں کا ذکر کر کے سنائیں گی۔

ماموں، سالک بھائی کو پڑھنے کے لیے "اسٹین فورڈ یونیورسٹی" بھیج رہے تھے۔ سالک بھائی کے جانے کی تقریباً ساری تیاری ہو چکی تھی۔ اکلوتے بیٹے کو اچھی یونیورسٹی میں پڑھانا ماموں کا برسوں پرانا خواب تھا۔ ممانی جان نے سالک بھائی کے جانے پر کافی رونا دھونا مچایا تھا مگر امریکہ جاکر پڑھنا خود سالک بھائی کا بھی خواب تھا، اس لیے وہ دل پر پتھر رکھ کر چپ ہو گئی تھیں۔ جانے سے پہلے وہ ہم لوگوں سے بھی ملنے آئے تھے۔ پتا نہیں کیوں اس روز بجو مجھے بہت چپ چپ لگیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ زبردستی مسکرا رہی ہیں۔

سالک بھائی تھوڑی دیر کے لیے آئے تھے مگر جب امی نے ان سے کھانے پر رکنے کے لیے اصرار کیا تو وہ رک گئے۔ بجو اور عروبہ آپی جلدی جلدی کھانے کے لیے اہتمام کرنے لگیں۔ عروبہ آپی نے اس روز کیا پکایا تھا۔ مجھے بالکل یاد نہیں مگر بجو نے اس روز کیا پکایا تھا۔ یہ بات اتنے برسوں بعد بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کھانے کی میز پر بجو کے ہاتھ کی بنی بیسن کی روٹیاں اور ٹماٹر کی چٹنی دیکھ کر نہ صرف مجھے بلکہ امی کو بھی تعجب ہوا تھا۔ وہ کچھ بولی تو

نہیں تھیں مگر ان کے چہرے پر حیرت نظر آرہی تھی۔ یہ بات تو بہت سال بعد مجھے پتا چلی تھی کہ بیسن کی روٹی کے ساتھ نماری کی چٹنی سالک بھائی کی فیورٹ ڈش تھی۔ اس روز وہ کھانے کی میز پر بہت خوش خوش بیٹھے تھے۔

امی کے اصرار پر باقی چیزیں "تکلفاً" چکھنے کے بعد انہوں نے صرف اور صرف بیسن کی روٹی ہی کھائی تھی۔ وہ اتنے مزے لے لے کر کھا رہے تھے کہ منی جو بیسنی روٹیوں سے سخت چڑا کرتی تھی اس کے بھی منہ میں پانی آگیا اور وہ بھی کھانے پر مجبور ہو گئی۔

پتا نہیں صرف بارہ سال کی عمر میں میری قوت مشاہدہ اتنی تیز کس طرح ہو گئی تھی۔ آج سوچتی ہوں تو مجھے خود تعجب ہوتا ہے۔ میرے علاوہ کسی نے بھی اس بات کو نوٹ نہیں کیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان الگ سے کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ سارا وقت سالک بھائی لاؤنج میں بیٹھے ہم سب سے ہی گپ شپ کرتے رہے تھے اور بجو بھی وہیں بیٹھی ان کے لطیفوں پر مسکراتی رہی تھیں۔

پھر سالک بھائی امریکہ چلے گئے تو ہمارے گھر باقاعدگی سے آنے والوں میں صرف ماموں ہی رہ گئے۔ بجو فائنل ماسٹرز کے ایگزیمز سے فارغ ہوئیں تو انہوں نے اپنے اسکول کی صبح کی شفٹ بھی جوائن کرلی۔ شاید سالک بھائی کے ریفرنس کی وجہ سے بجو کو یہ چانس مل گیا تھا۔

امی، بجو اور عروبہ آپی مل کر جوڑ توڑ میں لگی رہتی تھیں۔ گھر کی بجٹنگ کس طرح کرنی ہے۔ کون سے اخراجات اضافی ہیں۔ کون سے ناگزیر ہیں۔ وہ تینوں آپس میں بیٹھ کر اسی قسم کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ مجھے، منی اور طٰہٰ کو ان معاملات میں ظاہر ہے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ ہماری ضرورت کی ہر چیز بروقت مل جاتی تھی ہمارے لیے یہی کافی تھا۔

ماموں کی اچانک موت ہم سب کے لیے کسی سانحے سے کم نہیں تھی۔ ابا میاں کے بعد وہ ہمارے لیے بہت بڑا سہارا تھے۔ ان کی موت بہت تعزیت کا باعث تھی۔ سالک بھائی اطلاع ملتے ہی فوراً ہی پہنچ گئے۔ بہت چپ اور اداس وہ کبھی ممانی جان کو دلاسا دیتے، کبھی فریال اور حمیرا کو پیار کرتے، کبھی امی کو تسلی دیتے۔ ہم سب بہنوں کی حالت بھی بہت غیر تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم سے بہت کچھ چھن گیا ہو۔

بجو کا وہی انداز تھا جو ابا میاں کی موت پر تھا۔ نہ وہ دھاڑیں مار مار کر روئی تھیں اور نہ ہی انہوں نے سر پیٹ پیٹ کر چیخیں ماری تھیں۔ سپارہ پڑھتے ہوئے صرف ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

ماموں کے انتقال کے بعد کچھ دن ہم سب لوگ وہیں رکے رہے تھے۔ وہ شاید ماموں کے انتقال کا دسواں یا بارھواں روز تھا جب رات کو کمرے کی کھڑکی سے میں نے نور بجو اور سالک بھائی کو لان میں سیڑھیوں پر بیٹھے دیکھا۔ لان سے ہی سیڑھیاں فرسٹ فلور پر جاتی تھیں۔ پہلی سیڑھی پر بجو اور ان سے تین سیڑھیاں اوپر سالک بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں کمرے سے نکل کر دبے پاؤں لان میں چلی آئی اور ان لوگوں کی باتیں سننے لگی۔

"ابا میاں کے جانے پر ماموں نے مجھ سے کہا تھا۔ "دیکھو رونا نہیں۔ تم بڑی ہو۔ تمہیں سب کو سنبھالنا ہے۔ سب کا خیال رکھنا ہے۔" اب کون آ کر مجھ سے کہے گا کہ رونا مت۔ کون مجھے تسلی دے گا۔ میں کس کے کندھے پر سر رکھ کر آنسو بہاؤں گی۔" سب کے سامنے بہادری کا نمونہ بنی بجو زار و قطار رو رہی تھیں۔

سالک بھائی نے نہ تو ان کی بات کے جواب میں کچھ کہا اور نہ ہی انہیں رونے سے منع کیا۔ وہ پتا نہیں کیا سوچ رہے تھے۔ کافی دیر بعد جب بجو روتے روتے خود ہی چپ ہو گئیں تو سالک بھائی بولے۔

"صباح! ابا میاں نہیں رہے تو کیا ہوا۔ میں تو ہوں۔ کزنز ہونے کے علاوہ ہم دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے سب سے اچھے دوست بھی تو رہے ہیں ناں۔"

بجو نے گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا تو وہ اداس سی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے بولے۔

"تمہیں یاد ہے صباح! بچپن میں جب ہم سب کزنز کھیل رہے ہوتے تھے اور اگر کوئی تمہیں مار دیتا تھا تو تم اس کی شکایت کرنے فوراً میرے پاس آیا کرتی تھیں۔"

بجو کے لبوں پر ان کی بات سن کر ایک دم مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"اور تم اس بے چارے کا مار مار کر حشر نشر کر دیتے تھے۔"

"بس تو پھر اب بھی یقین کر لو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ اگر اللہ کی طرف سے آئی آزمائش ہے تو تمہیں

اس کا ثابت قدمی سے مقابلہ کرنا ہے۔ جو مصیبت کے وقت گھبرا جائے، ہمت ہار دے وہ بھی کوئی انسان ہے اور تمہیں تو خود بھی اپنی خوبیوں کا صحیح سے اندازہ نہیں ہے۔ اگر تمہیں خود پتا چل جائے کہ تم کتنی بہادر ہو تو کبھی نہ گھبراؤ۔" وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولے تھے۔

میں بجو سے آٹھ سال چھوٹی تھی۔ میری ان کے ساتھ اتنی کوئی خاص انڈر اسٹینڈنگ بھی نہیں تھی کہ مجھے ان کی پرسنل باتیں پتا ہوتیں۔ سالک بھائی کا ہمارے گھر شروع ہی سے آنا جانا معمول کا حصہ تھا مگر میں نے جب سے ہوش سنبھالا تھا ان دونوں کی غیر معمولی دوستی بھی محسوس نہیں کی تھی۔ سالک بھائی ابا میاں کی زندگی میں بھی آیا کرتے تو سب ہی کے ساتھ ان کی ایک جیسی باتیں ہوا کرتی تھیں میں نے کبھی بھی ان دونوں کو آپس میں زیادہ بات چیت کرتے نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ اب تو وہ جب سے امریکہ گئے تھے کبھی کبھار ان کا خط آتا تو وہ امی ہی کے نام ہوتا تھا۔

میں شاید اپنی عمر سے زیادہ سمجھ دار تھی جس رشتے کو وہ دونوں بھی صرف دوستی کہہ کر مطمئن تھے اسے میں نے پوری شدت سے تب ہی محسوس کر لیا تھا اور یہ صرف اسی دن کی بات نہیں تھی میں اس بات کو کافی عرصے سے محسوس کر رہی تھی۔ شاید وہ دونوں خود اپنے آپ سے بھی جھوٹ بولتے تھے۔

پتا نہیں بجو نے سالک بھائی سے اپنی جاب کے سلسلے میں بات کی یا انہوں نے خود ہی ان کے لیے کوشش کی۔ امی کے دل میں بہت سے خدشات تھے۔

"پتا نہیں کیسا ماحول ہوگا۔ آفس کی جاب ہے وہاں تو مرد بھی ہوں گے۔" وہ اجازت دیتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں۔

"مرد ہوں گے تو کیا ہوا۔ یونیورسٹی میں بھی تو اس نے لڑکوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ آخر اس نے فارمیسی پڑھی ہے اور اس کا اتنا اسکوپ ہے۔ اسے اپنی پڑھائی سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

وہ ایک مرتبہ پھر امی کو قائل کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ ماموں کے کسی جاننے والے کی فارماسیوٹیکل کمپنی میں ٹرینی کی حیثیت سے بجو کا اپائنٹمنٹ ہوا تھا۔ پہلے روز بجو کو لے کر بھی سالک بھائی ہی گئے تھے۔

ماموں کی فیملی کے ساتھ ہماری طرح کے فنانشل پرابلمز نہیں تھے۔ ماموں کی کمی تو ظاہر ہے کوئی بھی پوری نہیں کر سکتا تھا مگر پیسے کے لحاظ سے انہیں کوئی مسئلہ نہ تھا۔ فریال کی منگنی بھی ماموں کی زندگی ہی میں ہو چکی تھی۔ یوں ممانی جان کے پاس امی کی طرح کے تفکرات نہیں تھے۔ سالک بھائی کی پڑھائی کا حرج ہو رہا تھا۔ اس لیے وہ واپس چلے گئے تھے انہیں اپنی ممی اور بہنوں کے اکیلے ہونے کی فکر کرنے کی زیادہ ضرورت اس لیے بھی نہیں تھی کہ ان کے نانا کا گھر بالکل ان کے گھر کے برابر ہی میں تھا۔ ممانی جان تو ماموں کی زندگی میں بھی ہم لوگوں سے زیادہ میل جول پسند نہ کرتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے ہم سب سے ہی ملنا "تقریباً" ختم کر دیا تھا۔

شروع شروع میں امی بھی مجھے، کبھی طٰہٰ اور منی کو لے کر بھائی کی محبت میں وہاں جاتیں اور وہاں ان کی خوب عزت افزائی ہوتی تو ہم سب کا ہی غصے سے برا حال ہو جاتا۔ ہمیں بٹھا کر کبھی باتیں کر کے یا تو ممانی جان گھر سے ہی کہیں چلی جاتیں یا اگر گھر میں بھی ہوتیں تو ہم سے تھوڑی بہت بات چیت کر کے اپنے آپ کو اس طرح مصروف ظاہر کرتیں جیسے ہم نے آ کر ان کا بہت وقت برباد کر دیا۔ فریال اور حمیرا بھی ہمیں نظر انداز کر کے اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتیں۔ ایک دوبار کے بعد میں نے اور منی نے آئندہ امی کے ساتھ وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ بجو کو ساری بات پتا چلی تو انہوں نے بھی امی کو سمجھایا تھا۔

"عزت نفس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ مجھے پتا ہے آپ وہاں ماموں کی محبت میں جاتی ہیں۔ مگر ممانی جان شاید یہ سمجھتی ہیں کہ آپ بھائی کی دولت کے لالچ میں آتی ہیں۔ امی ابھی ہمارے حالات ایسے ہیں کہ ہم کسی بھی رشتے دار کے گھر زیادہ آنا جانا شروع کر دیں تو وہ ہمارے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کرنے لگے گا۔ پیسے سے انسان کی عزت ہوتی ہے۔ آپ کو یاد نہیں ابا میاں کتنے خوددار انسان تھے۔"

امی کے اوپر بجو کے سمجھانے کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔

سالک بھائی کا وہی انداز تھا۔ کبھی وہ امی کے نام خط بھیج دیتے اور کبھی ہم بہن بھائی کے نام۔ جس میں ہم سب سے میرے پیارے کزنز کہہ کر مخاطب ہوا جاتا تھا۔ ہم میں سے کسی نے بھی ان سے ممانی جان کے رویے کے بارے

میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہو سکتا ہے انہیں خود ہی اپنی کمی کا اندازہ ہو۔

ٹریننگ پیریڈ ختم ہونے کے بعد بجو کو مستقل وہیں جاب مل گئی تھی۔ ہمارے گھر کے حالات میں بتدریج بہتری آنے لگی تھی۔ گو ابا میاں کے زمانے والی خوشحالی تو نہیں تھی مگر اتنے دنوں میں جو سخت ترین حالات ہم نے دیکھے تھے ان میں کسی حد تک کمی آ گئی تھی۔

بجو اپنی ضرورت کے لیے پیسے رکھ کر سارے پیسے امی کو دے دیا کرتی تھیں۔ شاید بجو ہی کے کہنے پر امی نے ابا میاں کی طرح مجھے، فہمی اور طہٰ کو دوبارہ پاکٹ منی دینی شروع کر دی تھی۔ اس سے پہلے ہمیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہوا کرتی تھی تو امی یا بجو سے پیسے لیا کرتے تھے۔ عروبہ آپی نے بھی پڑھائی کے ساتھ ساتھ شام میں پانچ چھ میٹرک کے اسٹوڈنٹس کو ٹیوشن پڑھانا شروع کر دی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥
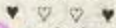
ان ہی دنوں بجو کے اسکول کی اونر مسز فرحان بجو کے لیے اپنے بیٹے کا پرپوزل لے کر آ گئیں۔ حالانکہ بجو کو اسکول کی جاب چھوڑے کافی دن ہو گئے تھے مگر وہ ابھی بھی بجو سے رابطہ رکھتی تھیں۔ وہ بجو کو بہت پسند کرتی تھیں۔ امی سے بھی انہوں نے یہی بات کی تھی کہ

"نور الصباح جیسی لڑکی جس گھر میں بہو بن کر جائے گی وہ گھر اور وہاں کے مکین یقیناً" بے حد خوش قسمت ہوں گے۔"

انہوں نے بتایا تھا کہ انہوں نے بجو کو اتنے عرصے میں بہت قریب سے دیکھا ہے اور انہیں اپنے بیٹے کے لیے ایسی ہی لڑکی چاہیے تھی۔ ان کا بیٹا اشعر فرحان آئی بی اے میں سالک بھائی سے دو سال سینئر تھا۔ ایم بی اے کر کے اب اپنے والد اور بڑے بھائی کے ساتھ مل کر بزنس کر رہا تھا۔ یقیناً" یہ بجو کے لیے ایک آئیڈیل رشتہ تھا۔ خاص طور پر سالک بھائی کے حوالے سے امی کو اس رشتے کی [illegible] بے حد خوش تھیں۔ [illegible] سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اس سلسلے میں امی اور بجو کے مابین کیا بات چیت ہوئی۔ ہمیں بالکل پتا نہیں چلا۔ ایک [illegible] اندازہ تو [illegible] کی [illegible] تھا کہ بجو نے اس رشتے سے انکار کر دیا ہے۔

[illegible] بجو [illegible]

ضروری سامان خریدنے گئے تھے۔ بجو نے اس دن آفس سے چھٹی کی ہوئی تھی۔ تھوڑی بہت شاپنگ کر کے بجو نے ایک رکشہ روکا اور مجھے بیٹھنے کے لیے کہتی خود بھی بیٹھ گئیں۔ رکشہ ایک بہت ہی عالیشان بنگلے کے سامنے رکا تو میں حیرت سے سوچنے لگی کہ ہم لوگ کہاں آ گئے ہیں۔ گیٹ پر کھڑا باوردی چوکیدار' اندر کھڑی شاندار گاڑی میں پہلے ہی قدم پر بری طرح مرعوب ہو چکی تھی۔ ہم ملازم کی سنگت میں غالباً" ڈرائنگ روم کی طرف جا رہے تھے جب سامنے سے گاڑی کی چابی ہاتھ میں گھماتا ایک بے حد ہینڈسم بندہ نظر آیا۔ ہمیں دیکھ کر وہ ایک دم رک گیا تھا۔

"السلام علیکم۔" بجو نے بڑے پراعتماد انداز میں اسے سلام کیا تھا' سلام کا جواب دے کر وہ منتظر تھا کہ بجو اپنا تعارف کروائیں۔

"میں نور الصباح ہوں' مجھے مسز فرحان سے ملنا ہے۔" بجو کے تعارف کروانے پر اس نے بغور بجو کی طرف دیکھا تھا۔

وہ یقیناً" اشعر تھا۔ اس کی شاندار پرسنالٹی دیکھ کر مجھے بے اختیار بجو کی قسمت پر رشک آیا تھا۔ ان دونوں نے شاید اس سے پہلے کبھی ایک دوسرے کو دیکھا نہیں تھا۔ کم از کم ان کے ملنے کے اسٹائل سے تو میں نے یہی اندازہ لگایا تھا۔ ملازم کے بجائے وہ خود ہی ہمیں اندر لے آیا تھا اور اپنے وسیع و عریض اور قیمتی فرنیچر سے آراستہ ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد خود شاید اپنی ممی کو بلانے چلا گیا تھا۔ وہ آئیں تو بجو کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ جلدی سے ملازم کو بلا کر ہم لوگوں کے لیے کولڈ ڈرنک اور دیگر لوازمات لانے کو کہا۔ اشعر دوبارہ ڈرائنگ روم میں نہیں آیا تھا۔ کچھ دیر وہ بجو سے ان کی جاب کے بارے میں باتیں کرتی رہیں۔ مجھ سے بھی میری پڑھائی وغیرہ کے بارے میں پوچھا۔

بجو کا اعتماد جو اندر آنے سے پہلے بے حد نمایاں تھا اب بالکل ختم ہو چکا تھا۔ وہ شاید بجو کی گھبراہٹ محسوس کر گئی تھیں' اس لیے انہیں خود کو کمپوز کرنے کا موقع دینے کی خاطر ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں۔ پھر جب کافی دیر بعد بجو نے اپنا مدعا بیان کیا تو میں حیران رہ گئی۔ مسز فرحان جب رشتہ لے کر آئی تھیں تو انہوں نے امی سے کہا تھا کہ امی خوب اچھی طرح سوچ بچار اور چھان بین کرنا چاہتی ہیں

کر لیں وہ جواب لینے ہفتہ دس دن بعد آئیں گی اور ابھی تو انہیں آئے صرف چار روز گزرے تھے۔ بجو امی کے انکار سے پہلے خود ہی انکار کرنے آ گئی تھیں۔

"آنٹی! آپ بہت اچھی ہیں۔ جس وقت ہم لوگ کرائسس میں تھے آپ نے مجھے اپنے پاس جاب دی حالانکہ اس وقت میری ایجوکیشن بھی نامکمل تھی۔ مگر ابھی میں شادی نہیں کر سکتی۔ آپ کی محبت اور شفقت نے جو اعتماد مجھے دیا ہے' اس کے سہارے میں ایک بات آپ سے کہنا چاہتی ہوں اگر آپ مجھے اس کی اجازت دیں تو۔"

بجو کے انکار پر وہ کچھ چپ سی ہو گئی تھیں شاید انہیں بجو بہت پسند تھیں۔ "کہو بیٹا! تمہیں کسی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ آہستگی سے بولی تھیں۔

"آپ نے کہا تھا کہ وہ گھرانہ بہت خوش قسمت ہو گا جہاں نور الصباح جائیں گی، مگر میں یہ کہتی ہوں کہ وہ عورت خوش قسمت ہو گی جسے آپ جیسی ساس اور اتنا [illegible] حالات [illegible] مقدر میں [illegible]

بجو کی بات پر انہیں تو جو حیرت ہوئی سو ہوئی ہو گی مگر میں تو جیسے بجائے ان کو تک رہی تھی۔ وہ اپنے بجائے عروبہ آپی کا رشتہ طے کرنے کی بات کر رہی تھیں۔

"[illegible] شادی [illegible] چاہتی اور امی اتنے اچھے رشتے [illegible] چاہتیں اور جہاں تک اچھائی کی بات ہے عروبہ مجھ سے کہیں زیادہ اچھی ہے۔ آپ نے ابھی اسے قریب سے نہیں دیکھا اس کا دل اتنا خوبصورت ہے کہ میں بتا نہیں سکتی۔ صورت شکل میں تو وہ ہے ہی لاجواب۔ اگر آپ کو صرف اچھائی اور نیکی کی تلاش تھی تو عروبہ سے اچھی لڑکی کوئی اور نہیں ہو سکتی۔"

آنٹی نے بجو کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کے بعد گفتگو کا موضوع ہی انہوں نے تبدیل کر دیا تھا۔ ان کے تاثرات سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کیا فیصلہ کریں گی۔ واپسی میں انہوں نے اپنی گاڑی میں ہمیں ڈراپ کروانے کی آفر کی تو بجو نے انکار کر دیا تھا۔ ہم لوگ رکشہ سے واپس آئے تھے۔ گھر میں داخل ہونے سے پہلے بجو نے مجھ سے کہا تھا۔

"فہما! ہم لوگ مارکیٹ کے علاوہ کہیں اور بھی گئے تھے' یہ بات تم کسی کو بھی نہیں بتاؤ گی۔ پرامس کرو مجھ سے۔" انہوں نے مجھ سے وعدہ کرنے کو کہا تو میں نے گردن ہلا دی تھی۔

دسویں روز وہ حسب وعدہ جواب لینے آ گئی تھیں۔ امی جو بجو کو قائل کرنے میں ناکام ہو چکی تھیں۔ انہوں نے بڑے بجھے دل سے انہیں انکار کیا تھا۔ مگر امی کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہیں رہی تھی جب انہوں نے بجو کے بجائے عروبہ آپی کا رشتہ مانگ لیا تھا۔

"بھئی نور الصباح نہیں تو عروبہ مجھے دے دیں۔ ایک نہ ایک ہیرا تو مجھے آپ کے ہاں سے لے کر جانا ہی ہے۔"

امی کا خوشی سے برا حال تھا۔ عروبہ آپی کو پتا چلا تو وہ بہت ناراض ہوئی تھیں۔ "بجو بڑی ہیں۔ پہلے ان کی شادی ہونی چاہیے۔ بجو سے پہلے میں کسی بھی قیمت پر شادی نہیں کروں گی۔" انہوں نے بہت شور مچایا تھا۔ رونا دھونا' بھوک ہڑتال سب طریقے آزما لیے تھے۔

"عروبہ! کیوں بے کار کی ضد کر رہی ہو۔ امی کو ایک نہ ایک دن چاروں بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہونا ہے۔ ہمیں ان کی پریشانی کا خیال کرنا چاہیے۔" وہ عروبہ آپی کو سمجھانے بیٹھی تھیں۔

"ہاں تو میں نے کب منع کیا کہ امی ہماری شادیاں نہ کریں مگر پہلے آپ کی۔" وہ چڑ کر بولی تھیں۔

"بچی مت بنو عروبہ! کیا تم جانتی نہیں ہو کہ ابھی میں شادی نہیں کر سکتی۔ ابھی بہت ذمہ داریاں ہیں۔ میں نے شادی سے انکار تو نہیں کیا۔ میری شادی چند سال بعد بھی ہو سکتی ہے۔" وہ پھر رسانیت سے گویا ہوئی تھیں۔

"کیوں قربانیاں دینے کا ٹھیکہ صرف آپ نے اٹھایا ہوا ہے۔ میں بھی ذمہ داریاں اٹھا سکتی ہوں' جاب کر سکتی ہوں۔" وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھیں۔

"تم سب کچھ کر سکتی ہو میری جان! مگر میرے پاس پہلے ہی اچھی جاب ہے۔ خوش قسمتی سے تنخواہ وغیرہ بھی مناسب ہے۔ تم باہر نکلو گی' جاب تلاش کرو گی' کیا اس سے بہتر یہ نہیں کہ میں چند سال اور جاب کر لوں۔ دیکھو ہم سب ایک ہیں۔ ہمارے دکھ سکھ' ہماری خوشیاں ہمارے آنسو سب ایک ہیں۔ ہمیں اپنے تمام مسائل خود اپنے بل بوتے پر حل کرنے ہیں۔ امی کی پریشانیاں ہمیں شیئر کرنی ہیں اور اس وقت ان کے سر پر سب سے زیادہ

بوجھ چار بیٹیوں کے فرض ادا کرنے کا ہے۔ تم امی کی خاطر شادی کر لو۔ ابا میاں کی روح کو سکون پہنچانے کے لیے اقرار کر لو۔ پلیز عروبہ! انکار مت کرنا۔"

بجو کی آواز بھرا گئی تھی اور وہ ایک دم وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں اور پھر جو بجو نے چاہا تھا وہی ہوا تھا۔ انہیں اپنی مرضی دوسروں پر مسلط کرنی آتی تھی۔

بجو کی چالاکی اور مکاری پر مجھے اتنا شدید غصہ آتا تھا کہ میں بتا نہیں سکتی۔ ابا میاں کے انتقال کے بعد سے میں نے جو باتیں بجو کے بارے میں سوچنی شروع کی تھیں۔ وہ سب اب مجھے سو فیصد صحیح لگنے لگی تھیں۔

بجو دوسروں کو اپنا زیر بار دیکھنا پسند کرتی ہیں' اپنے احسانوں کے بوجھ تلے یہ سامنے والے کو اس قدر دبا دیتی ہیں کہ وہ بے چارہ کبھی ان کے آگے سر ہی نہیں اٹھا سکتا۔ عروبہ آپی شادی کے بعد بھی ہمیشہ بجو کی احسان مند رہیں گی۔ انہوں نے اپنے لیے آیا اتنا عالیشان رشتہ آپی کو بخش دیا۔ ان کا ظاہر بڑا نیک اور بھولا بھالا ہے اور باطن کس قدر بدصورت ہے۔ انہیں سب کے منہ سے اپنی تعریفیں سننے کا شوق ہے۔

جو کوئی بھی عروبہ آپی کے رشتے کی مبارک باد دینے آتا' وہ بجو کے لیے بھی توصیفی کلمات ضرور ادا کرتا۔ "بہن ہو تو ایسی ہو۔"

"اس نے تو سچ بیٹا بن کر دکھا دیا۔ کیسے چاؤ سے بہن کی شادی کی تیاریاں کر رہی ہے۔" ہر کوئی ان کی شان میں زمین آسمان ایک کرتا اور وہ انکساری سے مسکراتی رہتیں۔

مجھے عروبہ آپی پر بڑا ترس آیا کرتا تھا۔ بے چاری عروبہ آپی! "آپ کا تو شوہر تک بجو کا دان کیا ہوا ہے۔ بجو نے اپنی تیج آپ کو دے دی۔ ڈالیے دیوی کے چرنوں میں پھول۔"

میں عروبہ آپی کی جگہ ہوتی تو اپنی یہ انسلٹ کبھی گوارا نہ کرتی۔ ابھی تو آپی کو یہ نہیں پتا کہ ان کا رشتہ بھی بجو نے اشعر کے گھر جا کر طے کروایا تھا۔ شادی کے بعد اگر کبھی یہ بات انہیں پتا چلی تو پھر تو وہ بجو کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلام بن جائیں گی ان کی عظمت اور اعلیٰ ظرفی کے گن گائیں گی۔

کوئی مجھ سے پوچھے نور الصباح توقیر کی اصلیت۔ شادی تو انہیں اشعر فرحان سے کرنی ہی نہیں تھی' سالک بھائی کوئی بری چوائس تو نہیں تھے۔ جو وہ اشعر کی طرف متوجہ ہو جاتیں۔ انہوں نے کتنی عمدگی سے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ رشتے سے انکار بھی کر دیا اور ہر طرف سے واہ واہ بھی سن لی۔ کوئی ان سے جا کر پوچھے کہ کب عروبہ آپی آپ کے پیروں میں جا کر گری تھیں کہ پلیز یہاں میرا رشتہ طے کروا دیں۔ مانگے بغیر دوسروں کو بھیک دیتی اور وہ بھی اس طرح کہ وہ آپ کے احسانوں کے بوجھ تلے دب کر رہ جائیں' ان کی ایک ایک سانس آپ کی احسان مند رہے۔

امی ہر آئے گئے کے آگے میری نور ایسی ہے اور میری نور ویسی ہے کرنا شروع ہو جاتی تھیں۔ ان کی نظروں میں ان کی لاڈلی نور سے زیادہ اچھا' نیک اور ایثار پیشہ شاید اس روئے زمین پر کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ عروبہ آپی کی شادی کے تمام فنکشنز بہت اچھے ہوئے تھے' امی اور نور بجو نے اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کی تھی کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

سالک بھائی شادی میں تو شریک نہیں ہو سکے تھے کہ ان دنوں وہ امتحانات میں مصروف تھے مگر انہوں نے شادی کے تحفے کے طور پر عروبہ آپی کے نام خاصی خطیر رقم بھیجی تھی۔ عروبہ آپی کے نام مبارک باد کے کارڈ کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک خط امی کو بھی لکھا تھا جس میں انہوں نے ان پیسوں سے عروبہ آپی کو ان کی پسند کی کوئی چیز دلوانے کی بات لکھی تھی۔

"میں یہ پیسے اپنی چھوٹی بہن کو بھیج رہا ہوں۔ کسی اور کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" خط میں لکھے یہ الفاظ یقیناً "نور بجو" کے لیے تھے کیونکہ انہیں ہی سب سے زیادہ اس تحفے پر اعتراض ہوا تھا۔ سالک بھائی شاید ان کے مزاج کے ہر رنگ سے مکمل واقفیت رکھتے تھے اس لیے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی یہ جملے لکھ دیے تھے۔

ممانی جان دنیا دکھاوے کو یا پھر شاید سالک بھائی کے مجبور کرنے پر شادی والے دن کھرے کھرے تحفے دینے آئی تھیں۔ عروبہ آپی کی شادی کے بعد کافی دنوں تک ہم سب ہی بہت اداس اداس رہے۔ گھر کا ایک فرد اچانک کم ہو جائے تو اس کی کمی تو محسوس ہو گی ہی اور وہ تو تھیں بھی بہت زندہ دل اور متحرک۔ گھر کا سارا کام کرنا' بجو

ہنسی اتنا۔ ان کی شادی کے بعد جب اچانک میرے اور فہمی پر امی نے گھر کے مختلف کاموں کی ذمہ داری ڈالی تو ہم دونوں ہی بوکھلا گئے۔

بجو تو صبح آٹھ بجے کی نکلی شام چھ ساڑھے چھ بجے واپس آتی تھیں اور امی ان سے گھر کا کوئی بھی کام کروانا جرم سمجھتی تھیں۔ ان کے آتے ہی امی کا "ہائے میری نور تھک گئی ہے۔ یا جاؤ فہمی! بہن کے لیے چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو لاؤ۔" شروع ہو جاتا تھا۔ ایک تو عروبہ آپی نے سارے گھر کا انتظام اتنے سالوں سے مکمل اپنے کنٹرول میں لے کر پہلے ہی ہماری عادتیں بگاڑی ہوئی تھیں مزید امی کے چاؤ چونچلے مجھ سے برداشت نہیں ہوتے تھے۔ فہمی اور مجھ میں کام پر اکثر لڑائی ہو جاتی تھی۔

"دوپہر کے برتن بھی میں نے دھوئے تھے' اب رات کے تم دھوؤ گی۔"

فہمی منہ بسور کر امی سے کہتی۔ ہم لوگوں کی لڑائیوں سے تنگ آ کر امی نے ہمارے درمیان کام بانٹ دیا تھا۔

اپنی شادی کے وقت دھان پان سی عروبہ آپی [illegible] کے لبوں پر اب ہر وقت مسکراہٹ رہتی تھی۔ خوبصورت تو وہ پہلے بھی بہت تھیں بس امی کی تربیت کچھ اس قسم کی تھی کہ ہم سب بہنیں ہی سادگی سے رہا کرتے تھے۔ اب وہ خوب اسٹائلش کپڑوں جیولری اور میک اپ کے اہتمام کے ساتھ تیار ہوتیں تو نظریں ان پر سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لیا کرتی تھیں۔

اشعر بھائی اور عروبہ آپی ہنی مون کے لیے سوئٹزرلینڈ گئے تھے اور وہاں سے پندرہ بیس دن بعد جب وہ دونوں واپس آئے تو عروبہ آپی پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور خوش نظر آ رہی تھیں۔ یقیناً" اشعر بھائی میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں' جن کی تمنا کوئی بھی لڑکی اپنے شریک حیات میں کرتی ہے اور ان دونوں کو خوش دیکھ کر امی اور نور بجو بہت خوش تھیں۔

اشعر بھائی ہم سب سے بھی گھل مل گئے تھے۔ نور بجو کے ساتھ بھی ان کی بہت اچھی بات چیت تھی۔ امی اور نور بجو سے بڑی سنجیدگی اور بردباری سے گفتگو کرتے اور مجھ سے اور فہمی سے خوب ہنسی مذاق اور شرارتیں کیا کرتے۔

[illegible]

انہیں خوش و خرم دیکھ کر مجھے بھی اچھا لگتا تھا۔ ابا میاں کے بعد سے جو ہمارے گھر پر ایک سوگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور چار ساڑھے چار سال گزر جانے کے باوجود قائم تھی اب اس سوگ کی جگہ قہقہوں نے لے لی تھی۔ امی کے چہرے پر بھی اطمینان نظر آتا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

اس سب کے باوجود میرا دل نور بجو کی طرف سے صاف نہیں ہوا تھا۔ کبھی کبھی مجھے ان پر سخت غصہ چڑھتا۔ آخر یہ عام انسانوں کی طرح کیوں نہیں رہتیں۔ آخر انہیں غصہ کیوں نہیں آتا۔ یہ ہر وقت اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر آخر کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں یہی کہ یہ بہت عظیم ہیں۔ سب سے برتر ہیں۔

میں بس کسی بھی طرح یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ بھی ہماری طرح عام انسان بن کر رہیں۔ صبح جاتے وقت مسکراہٹ' شام میں تھکی ہاری واپس آئیں تو چہرے پر مسکراہٹ۔ [illegible] ایک ایک کی [illegible] کر مجھے یہ سب بناوٹی محسوس ہوتا تھا۔ میرا دل چاہتا میں سب کے سامنے ان کا اصل ظاہر کروں۔ کسی طرح کچھ ایسا ہو کہ یہ خوب زور زور سے چلائیں۔ سب کو برا بھلا کہیں اور ان کے چہرے پر چڑھا معصومیت' خدمت' اطاعت گزاری اور ایثار کا ماسک اتر جائے۔

رات کھانے کے برتن دھونا میری ڈیوٹی میں شامل تھا [illegible] بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ امی تو عشاء کی نماز کے فوراً بعد سونے کی عادی تھیں چنانچہ وہ اپنے کمرے میں چلی جاتیں۔ بجو جاتے جاتے مجھے ٹوکتیں۔ کچھ گھنٹے کے آرام سے جا کر خود ہی برتن دھو کر کچن سمیٹ دیا کرتیں۔

"کتنی بری بات ہے۔ بجو تھکی ہوئی آتی ہیں اور تم آرام سے بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہو۔"

فہمی میری طرف ملامتی نظروں سے دیکھتے ہوئے اکثر بجو کے پاس کچن میں جا کر ان کی مدد کرانے لگتی مگر میں ٹس سے مس نہ ہوتی۔ وہ میری اس حرکت پر مجھے کچھ بھی نہ کہتیں' بلکہ اگر کبھی اتفاق سے امی کی نظر پڑ جاتی اور وہ ڈانٹتیں تو بجو فوراً میری حمایت میں کہتیں۔

"امی پلیز! ابھی وہ چھوٹی ہے۔ نہیں دل چاہتا اس کا تو آپ مجبور مت کریں۔ جیسے جیسے بڑی ہو گی اس کا رجحان خود بخود ہو جائے گا کچن کی طرف۔"

اور اس طرح کہتی ہوئی وہ مجھے کبھی بھی اچھی نہیں لگتی تھیں۔ میرا دل چاہتا تھا' وہ مجھ پر چیخیں چلائیں۔ برا بھلا کہیں۔ طعنے دیں۔ جیسے امی ہر وقت ان کے گھر کا بوجھ اٹھانے اور ہم لوگوں کے لیے کما کر لانے کے طعنے دیا کرتی تھیں وہ بھی یہ سب کہیں۔

پھر اس روز ان کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے ان کی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا وہ نازک اور حسین کرسٹل کا پین ہولڈر مجھ سے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ بہت قیمتی تھا بہت منفرد اور خوبصورت مگر نور بجو کے لیے اس کی اصل قیمت یہ تھی کہ وہ انہیں میٹرک کا امتحان پاس کرنے پر ابا میاں نے تحفے میں دیا تھا۔ میں نے اکثر بجو کو اسے بیٹھ کر گھنٹوں تکتے دیکھا تھا۔ وہ شاید اس میں ابا میاں کا عکس اور ان کا لمس پاتی تھیں۔

چھٹی کا دن تھا اور بجو اپنے دھلے ہوئے کپڑے پریس کر کے الماری میں رکھ رہی تھیں جب ان کے [illegible] مجھے یہ کیا ہوا تھا بس ایک دم میرا ہاتھ [illegible] پین ہولڈر فرش پر گر گیا تھا۔ اس کی کرچیاں دور دور تک بکھر گئی تھیں۔ میں نے سر اٹھا کر بجو کی طرف دیکھا تو وہ ساکت کھڑی ان ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھیں۔ مجھے لگا ابھی وہ آگے بڑھ کر ایک تھپڑ میرے منہ پر مار دیں گی مگر وہ کسی کی [illegible] چپ چاپ کھڑی تھیں۔ [illegible] میں بے اختیار فرش پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ مجھے روتا دیکھ کر وہ فوراً آگے بڑھیں اور میرے پاس آ کر گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"کیا ہوا نیہا! کیا کانچ چبھ گیا ہے۔"

"بجو! میں نے ابا میاں کا دیا اتنا خوبصورت گفٹ توڑ دیا۔ دیکھیں کتنی بری طرح ٹوٹا ہے۔ اب دوبارہ جڑ بھی نہیں سکتا۔" میں زار و قطار رو رہی تھی۔ بجو نے پیار سے میرا سر اونچا کیا اور بولیں۔

"اس تحفے سے بھی زیادہ قیمتی ابا میاں کی وہ یادیں ہیں جو ہمارے دلوں میں محفوظ ہیں۔ جو نہ کبھی کھو سکتی ہیں نہ ٹوٹ سکتی ہیں اور نہ ہی کبھی مدھم ہوں گی اور اگر تم سوچو تو ابا میاں کہیں نہیں گئے' مجھ میں' تم میں' ہم سب میں زندہ ہیں۔ جب تک ہمارے دلوں میں ان کی یادیں زندہ ہیں' تب تک وہ بھی زندہ رہیں گے اور جہاں تک پین ہولڈر کے قیمتی ہونے کا سوال ہے تو وہ میری بہن کے آنسوؤں سے زیادہ قیمتی تو نہیں تھا۔"

وہ اپنے ہاتھوں سے میرے آنسو صاف کر رہی تھیں۔ مجھ پر اچانک ہی جھنجلاہٹ طاری ہو گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے کے رنج و ملال کی جگہ غصے اور نفرت نے لے لی تھی۔ پھر یہ دیوی بنیں۔ وہ میرے تاثرات سے بے خبر میری دل جوئی میں لگی ہوئی تھیں اور میں اپنا غصہ بمشکل کنٹرول کر رہی تھی۔ دوپہر کے کھانے پر امی نے مجھے پین ہولڈر توڑنے پر سخت سست سنائی تھیں۔ میرے سامنے معصومیت سے "کوئی بات نہیں ٹوٹ گیا تو کیا ہوا۔" کہنے والی نور الصباح توقیر نے امی کو بھی یقیناً" یہ بات اتنی ہی معصومیت سے بتائی ہو گی۔ کتنی چالاک تھیں وہ۔

"چھوڑیں بھی امی اب اس قصے کو۔" کہتی وہ مجھے ناقابل بیان حد تک منافق لگیں۔ ان سے اچھی تو میں [illegible] کم منافق تو نہیں تھی۔ کیا اس سے بہتر نہیں تھا کہ اس وقت مجھے برا بھلا کہہ لیتیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

میرا میٹرک کا رزلٹ آیا تو حسب توقع میرے نمبر بے حد شاندار تھے۔ عروبہ آپی اور اشعر بھائی بھی مجھے مبارک باد دینے اس شام آئے تھے۔ شام کی چائے کے ساتھ امی نے خوب سارا اہتمام کیا تھا۔ سب نے مجھے میری پسند کے تحفے دیے تھے۔

"کیوں بھئی نیہا! آگے کیا پڑھنے کا ارادہ ہے۔" اشعر بھائی کے پوچھنے پر مجھ سے پہلے بجو بول پڑیں۔

"ہماری نیہا میڈیسن پڑھے گی۔ ماشاءاللہ یہ ہے بھی اتنی ذہین' اسے بڑے آرام سے میڈیکل کالج میں داخلہ مل جائے گا۔ اسی لیے ہم اسے پری میڈیکل دلوائیں گے۔"

اس وقت تو سب کی موجودگی کے سبب میں چپ رہی تھی مگر بجو کا آمرانہ انداز مجھے سخت زہر لگا تھا۔ میری زندگی ہے' میں جو چاہوں پڑھوں۔ میرے بارے میں فیصلہ کرنے والی آخر وہ کون تھیں۔

سوری بجو! میں عروبہ آپی' فہمی اور طہ کی طرح آپ کی حاکمانہ نیچر کو تسکین پہنچانے کا باعث نہیں بن سکتی۔ میں

عروبہ توقیر نہیں کہ آپ ہاتھ پکڑ کر لے جائیں تو بی ایس سی میں داخلہ لے لوں۔ "آپ نہیں" تمہیں اس بندے سے شادی کرنی ہے جو پہلے میرا طلب گار تھا تو خوشی خوشی شادی کروا لوں۔ میں فہمی اور طوبیٰ کی طرح بھی نہیں ہوں کہ ہر وقت آپ کے گن گاؤں اور آگے پیچھے پھروں۔ رات میں سونے سے پہلے فہمی کی طرح آپ کے لیے دودھ کا گلاس لے کر جاؤں۔ آپ کے کپڑے استری کروں اور پھر جب اس خدمت گزاری کے صدقے میں آپ اپنا کوئی نیا سوٹ، کوئی چین، یا پیسے دیں تو خوشی خوشی وہ بھیک وصول کر لوں۔ سوری بجو! میں نینا توقیر ہوں۔ میں گھر کے باقی افراد کی طرح آپ کو سر پر نہیں بٹھا سکتی۔ کیونکہ مجھے آپ میں ایسا غیر معمولی کچھ نظر نہیں آتا کہ میں آپ کی پوجا کرنے بیٹھ جاؤں۔

باوجود اس کے کہ میں خود بھی انٹر میں پری میڈیکل گروپ میں ہی جانا چاہتی تھی مگر صرف بجو کی مخالفت کی خاطر میں نے آرٹس گروپ میں [illegible] دیا۔ میری فرینڈز حیران تھیں کہ اچھے نمبر ہونے کے باوجود میں آرٹس کی طرف کیوں جا رہی ہوں۔

میں نے فہمی کو بہت سکون سے یہ اطلاع دی تھی کہ میں نے آرٹس کے مضامین کا انتخاب کیا ہے تو وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

ابا میاں کی ذہانت صحیح معنوں میں مجھ میں، بجو اور طوبیٰ میں منتقل ہوئی تھی۔ اسی لیے ان دونوں پر بھی زور بھی نہیں ڈالا گیا تھا کہ یہ سبجیکٹ لو یا یہ پڑھو۔ مگر میری ذہانت دیکھتے ہوئے شاید وہ مجھے ڈاکٹر بنانا چاہتی تھیں۔ مگر میں ان کے نامہ اعمال میں ایک اور نیکی لکھوانے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"بہن ہو تو ایسی ہو۔ کتنی محنت کر کے آخر کار چھوٹی بہن کو ڈاکٹر بنا دیا۔"

"میں دن رات محنت کر کے پڑھوں اور نام ہو پھر بھی ان کا ہی [illegible]"

"جب نور نے کہا تھا کہ تمہیں پری میڈیکل لینا ہے تو تمہیں اپنی من مانی کرنے کی جرأت [illegible]" مجھ پر برس رہی تھیں۔ بجو بھی وہیں بیٹھی خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

"پڑھنا مجھے ہے اور مجھے جو سبجیکٹ اچھا لگے گا، میں وہی پڑھوں گی۔" میں غصے سے کہتی وہاں سے آ گئی تھی۔

امی اپنا غصہ بھول کر حیران نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں غالباً انہیں مجھ سے اس بدتمیزی کی توقع نہیں تھی۔ کبھی میں نینا توقیر ان کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی اور آج ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ میرے دل میں جھانک سکیں۔ دیکھیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ انہیں نور بجو کے علاوہ دنیا میں کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ ہم سب تو بس تھے۔ شاید امی کی نظروں میں ہماری اہمیت بس یہ تھی کہ ہم طفیلی تھے اور بجو ہم جیسے طفیلیوں کو خوراک اور دیگر ضروریات فراہم کرنے والی میزبان۔

امی نے مجھ سے بات چیت بالکل بند کر رکھی تھی۔ میں کھانے کی میز پر جا کر بیٹھتی تو وہ مجھے نظر انداز کر کے بجو، فہمی اور طوبیٰ کی پلیٹوں میں سالن وغیرہ اپنے ہاتھوں سے ڈالتیں۔ ان سے اور کھانے پر اصرار کرتیں اور میں چپ چاپ [illegible] امی کی ناراضی [illegible] فہمی اور طوبیٰ بھی مجھ سے [illegible] لگے تھے۔ بجو البتہ مجھ سے معمول کے انداز میں گفتگو کرتی تھیں۔ ان کا اسٹائل ایسا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

امی نے بجائے مجھ سے باز پرس کرنے یا ڈانٹنے ڈپٹنے کے لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔ میرا دل چاہتا وہ مجھے ڈانٹیں، [illegible] تسلیم کروائیں۔ اگر وہ ایک بار بھی [illegible] کہتیں "نینا! تمہیں پری میڈیکل گروپ میں جانا ہے۔" تو میں ساری ضد بھول کر فوراً ان کی بات مان جاتی۔

میں ایسی ہی ان کی عاشق تھی۔ میرا دل چاہتا تھا میں امی کو جتاؤں کہ میں ان سے کتنی شدید محبت کرتی ہوں، امی! زیادہ کہ شاید اتنی نور بجو بھی ان سے نہیں کرتی ہوں گی۔ محبت کو لفظوں کی حاجت نہیں ہوتی یہ اپنے آپ ظاہر ہو جاتی ہے۔

مجھے پتا تھا اپنے تمام بچوں میں امی سب سے زیادہ مجھے پیار کرتی ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ہو بہو ان کا عکس تھی۔ اب تو ہمارے اکثر ملنے والے مجھے دیکھ کر بے ساختہ کہنے لگے تھے

"ارے صرایہ نینا تو تمہاری جوانی ہے۔" اور یہ کمنٹس مجھے بے حد خوش کیا کرتے تھے۔

مجھے یاد تھا ابا میاں کی زندگی میں وہ کس طرح میرا خیال رکھا کرتی تھیں۔ حالانکہ طوبیٰ سب سے چھوٹا تھا مگر امی زیادہ قریب میرے اتفاقی تھیں۔ مگر ابا میاں کے جاتے ہی سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

اب تو ان کی ہر سوچ، ہر محبت اور ہر چاہت پر صرف اور صرف نور بجو کا قبضہ تھا۔ وہ ان ہی کی آنکھوں سے دیکھتی تھیں اور ان ہی کے ذہن سے سوچتی تھیں۔

"کاش ابا میاں! آپ یوں اچانک ہمیں چھوڑ کر نہ چلے گئے ہوتے۔ ابا میاں زندہ ہوتے تو وہ ہمارے لیے کماتے، محنت کرتے۔ ان کے ہاتھوں سے پیسے لے کر کبھی بھی شرمندگی کا احساس تو نہ ہوتا۔

باپ کے پیسوں کے علاوہ تو دوسرے کسی کا بھی دیا صرف احسان ہوتا ہے۔ کیا ہوا جو نور بجو خود ہمیں کچھ نہیں سناتی تھیں۔ امی بخوبی یہ کمی پوری کر لیا کرتی تھیں۔

پچھلے مہینے اپنی پاکٹ منی کے جمع کیے ہوئے پیسوں سے میں [illegible] کے ساتھ جا کر ایک سوٹ خرید لائی تھی تو امی نے کتنا برا منایا تھا۔

"ابھی دو مہینے پہلے تو نور تمہارے اور فہمی کے لیے چار چار جوڑے لائی تھی کیا ضرورت تھی اس فضول خرچی کی۔ رکھے ہوئے پیسے تو کاٹ رہے تھے، پیسے کی قدر ہو تمہیں ہے۔ خود کماؤ تو پتا چلے کہ پیسہ کمایا کس طرح جاتا ہے۔"

امی سوٹ دیکھتے ہی مجھے بے نقط سنائی تھیں۔ [illegible] عروبہ آپی نے میری حمایت میں بولنا چاہا تو وہ انہیں فوراً ٹوک گئی تھیں۔

"عروبہ! تم بے کار میں اس کی وکالت مت کرو۔ اب یہ بچی نہیں رہی ہے۔ اسے اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ اس کی بہن کتنی محنت اور مشقت سے یہ پیسہ کماتی ہے۔ [illegible] ہونا چاہیے یہ کیا کہ سوٹ اچھا لگ رہا تھا اس لیے لے لیا۔ ایسے تو بازار میں اور بھی پتا نہیں کیا کیا اچھا لگ جاتا ہے۔ تمہی کو چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں۔ پیسے جمع ہو گئے تھے تو سنبھال کر رکھتی۔ آگے کالج میں داخلے کے وقت کام آتے۔ مگر تمہیں ایسا سوچنے کی ضرورت کیا ہے۔ پیسہ کمانے کی مشین تو موجود ہے۔ وہ کما کر لائے گی اور ہم عیش کریں گے۔"

اور امی کے منہ سے یہ طعنے سن کر اس رات میں کتنا روئی تھی۔ وہ سوٹ ویسا کا ویسا میری الماری میں پڑا رہا۔ پھر اسے سلوانے یا پہننے کا میرا ابھی دل نہیں چاہا تھا۔

پھر اس رات نور بجو میرے کمرے میں آئی تھیں۔

"نینا! لاؤنج میں آ کر سب کے ساتھ بیٹھو۔ ٹی وی پر اتنا اچھا پروگرام آ رہا ہے۔ سب اس قدر انجوائے کر رہے ہیں اور ایک تم ہو الگ تھلگ منہ بسورے بیٹھی ہو۔"

وہ زبردستی میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ امی کی ناراضی دیکھتے ہوئے میں نے بھی سب کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔ اپنے حصے کے کام کرنے یا کھانا کھانے کے علاوہ میں باقی وقت کمرے میں بند رہا کرتی تھی۔ پندرہ روز ہو گئے تھے امی کو مجھ سے ناراض ہوئے۔ بجو کے اٹھانے پر میں چپ چاپ اٹھ گئی تھی۔

"امی! بس اب یہ خفگی ختم کریں۔ اپنی گڑیا کی طرف سے میں آپ سے ایکسکیوز کر رہی ہوں۔ دیکھیں تو چند ہی دنوں میں کیسی برسوں کی بیمار نظر آنے لگی ہے۔ غلطی میری ہے۔ مجھے کوئی حق نہیں تھا کہ میں نینا کی پسند کے خلاف اپنی مرضی اس پر مسلط کرتی۔ جس کا پڑھنا ہے وہ وہی سبجیکٹ لے جو اسے اچھا لگے گا، وہی پڑھے گی۔ آخر اس سے پہلے میں نے، عروبہ اور فہمی نے بھی تو اپنی پسند کے سبجیکٹ ہی پڑھے ہیں۔ اب چھوٹا ہونے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بڑے کی پسند ناپسند پر بھی بہنوں کی اجارہ داری ہو جائے۔ کیوں نینا! ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟"

وہ مجھے امی کے برابر صوفے پر بٹھاتے ہوئے خود امی کے بالکل سامنے کارپٹ پر بیٹھ گئیں۔ ان کی آنکھوں میں الجھن تھی اور امی جو کچھ دیر پہلے مجھے آتا دیکھ کر منہ پھیر چکی تھیں، ایک نظر مجھ پر ڈال کر بجو سے بولیں۔

"نائیں۔ بچوں سے ناراض نہیں ہوتیں۔" ان کی آواز میں عجیب سا دکھ تھا۔ میرا دل چاہا میں امی کے گلے لگ جاؤں اور دھاڑیں مار مار کر روؤں۔ ان سے کہوں کہ آپ مجھ سے پہلے کی طرح پیار کریں۔ ویسی ہی شدید محبت کریں۔ بجو آنکھوں آنکھوں میں مجھے امی سے معافی مانگنے کا اشارہ کر رہی تھیں۔

"سوری امی۔" میں نے اپنی خواہش کے برعکس مختصر لفظوں میں ان سے معافی مانگی تھی۔ بجو نے کہا تو انہوں نے مجھے معاف کر دیا۔ ورنہ شاید اب ان کے دل میں

میرے لیے کوئی جگہ تھی ہی نہیں۔

امی کا موڈ بحال ہوتے ہی فہمی اور طہٰ بھی میرے ساتھ پہلے کی طرح باتیں کرنے لگے تھے۔ مگر میرا دل اپنے ہی گھر سے بیزار ہو گیا تھا۔ ایسی زندگی مجھے نہیں جینی جہاں میری کوئی حیثیت نہ ہو۔

♥ ♡ ♡ ♥
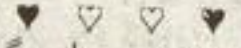
کالج جانا شروع ہوا تو میرے لیے زندگی کے سنہرے دور کا آغاز ہوا۔ اسکول سادگی سے دو چوٹیاں باندھ کر جانے والی نیناں توقیر کو اپنی بے تحاشا خوبصورتی کا اتنا شدید احساس کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ مجھے یہ پتا تھا کہ میں امی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہوں اور بس۔ اس سے زیادہ میں نے اپنے بارے میں کبھی نہ سوچا تھا۔ کالج میں میری دوستوں نے مجھے اس بات کا احساس دلانا شروع کیا تو میں نے خود اپنے آپ کو پوری توجہ سے پہلی بار آئینے میں دیکھا ورنہ تو صرف بال بناتے یا منہ دھوتے وقت ہی آئینہ دیکھنے کی نوبت آیا کرتی تھی۔

زویا نے بڑے مزے سے بتایا تھا کہ اس کے بھائی جان صرف ایک جھلک دیکھنے کی خاطر اکثر اپنے آفس سے لنچ ٹائم میں اٹھ کر اسے لینے کالج آجاتے ہیں۔ شروع شروع میں میں ان باتوں کو سن کر حیران ہوتی تھی۔ مگر پھر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی اہمیت کا ٹھیک ٹھاک اندازہ ہو گیا۔ مجھے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ میرے اندر صنفِ مخالف کے لیے بے پناہ کشش ہے۔ جو مجھے ایک بار دیکھ لے وہ نظریں ہٹانا بھول جاتا ہے۔

میں نے خود پر توجہ دینی شروع کر دی تھی۔ اچھے شیمپو سے بال دھوتی، میگزینز میں سے نسخے نکال کر اپنے لیے مختلف ماسکس تیار کرتی۔ برتن یا کپڑے دھونے وغیرہ کے بارے میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی، میری لمبی انگلیوں اور نازک نازک ہاتھوں کی تو میری دوستیں دیوانی تھیں۔

مگر ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ یہ ضرور تھا کہ میں نے اپنی خوبصورتی کا ناجائز فائدہ کبھی نہیں اٹھایا۔ اپنی دوستوں کے توجہ دلانے کے باوجود کبھی کسی لڑکے کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ زویا کا بھائی، سونیا کا کزن، صبرینہ کے ماموں میں کسی کی بھی طرف متوجہ نہ ہوئی اور تو اور خاندان میں کئی کزنز میری ایک نگاہِ التفات کے لیے بے تاب رہتے تھے۔

✈ ✈
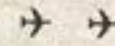
ان ہی دنوں نور بجو کو ایک ملٹی نیشنل فارماسیوٹیکل میں اسسٹنٹ پروڈکشن منیجر کی جاب مل گئی۔ جس وقت بجو نے اپنا سی۔ وی وہاں بھیجا تھا، انہیں اس بات کی رتی برابر بھی امید نہیں تھی کہ انہیں انٹرویو کے لیے کال کیا جائے گا۔ مگر جب وہاں سے نہ صرف یہ کہ انٹرویو کے لیے کال آگئی بلکہ بے شمار امیدواروں میں سے وہ سلیکٹ بھی کر لی گئیں تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ بری تو ان کی پرانی جاب بھی نہیں تھی مگر جتنی شاندار تنخواہ اور دیگر مراعات یہاں تھیں۔ ان کے آگے تو وہ جاب بس یونہی سی لگنے لگی تھی۔ نور بجو اس بات پر بہت خوش تھیں کہ یہ جاب انہوں نے اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر حاصل کی ہے اس میں ماموں یا سالک بھائی کا کوئی ریفرنس نہیں۔

جاب ملنے کی خوشی میں بجو ہم سب کے لیے سوٹس لے کر آئی تھیں۔ امی کا، فہمی کا، میرا، طہٰ کا یہاں تک کہ عروبہ آپی اور مینی کا بھی۔ وہ خوشی خوشی سب کو ان کے جوڑے دکھا رہی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ سب ہی کے لیے بہت اچھے اور قیمتی جوڑے لائی تھیں۔

مگر جب میں نے کہا "بجو! آپ اتنا فضول کلر لائی ہیں میرے لیے۔ یہ شاکنگ پنک کلر تو ماسیاں پہنتی ہیں۔"

میری بات پر ان کے چہرے پر ایک پل کے لیے خفت سی چھا گئی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے نینا! وہ اتنے پیار سے لائی ہے اور تمہیں ذرا سی تمیز نہیں ہے۔" امی نے بڑے غصے سے میری طرف دیکھا تھا۔ فہمی کے چہرے پر بھی مجھے ناپسندیدگی صاف نظر آرہی تھی۔

"بدتمیزی کی تو میرا خیال ہے میں نے کوئی بات نہیں کی۔ بجو نے میری رائے پوچھی تو میں نے بتا دی۔ اگر یہ ہم لوگوں کے لیے کپڑے لانا ہی چاہ رہی تھیں تو پیسے دے دیتیں ہم جا کر اپنی پسند سے خود لے آتے۔ بالکل یہی پرنٹ پرسوں سونیا کے ہاں میں نے اس کی ماسی کو پہنے ہوئے دیکھا تھا۔ بجو کو تو فیشن کا بالکل پتا ہی نہیں ہے۔"

میں ان لوگوں کی ناراضی سے بے نیاز بڑے آرام سے جواباً بولی تھی۔ امی کچھ بولنے ہی والی تھیں کہ بجو ان سے پہلے بول پڑیں۔

"چلو پھر ایسا کرتے ہیں، کل تم میرے ساتھ بازار چلی

چلو۔ یہ سوٹ واپس کر کے اپنی پسند کا لے لینا۔"

وہ اتنے خوشگوار اور مطمئن انداز میں بولی تھیں کہ میں تعجب سے انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔

"واپس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم لوگ سوٹس تبدیل کر لیتے ہیں۔ مجھے آپ کے سوٹ کا کلر اور پرنٹ دونوں ہی بہت اچھے لگ رہے ہیں۔" میں نے ان کا سفید رنگ کا سوٹ ہاتھوں میں لیتے ہوئے بے نیازی سے کہا تو وہ خوش دلی سے بولیں۔

"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ بازار کا چکر بچ جائے گا اور کیا چاہیے۔" انہوں نے فوراً" ہی کہا مگر ان کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو تو میں دیکھ چکی تھی۔ مجھے پتا تھا وہ بہت حساس ہیں، اوپر سے جتنی مضبوط نظر آتی ہیں، اندر سے اتنی ہی نرم ہیں۔ انہیں میری باتوں سے بہت دکھ ہوا تھا اور میں ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

فہمی بعد میں مجھ سے بہت لڑی تھی۔ مجھے بہت برا بھلا کہا تھا۔ خود غرض، ضدی اور بدتمیز کے القاب سے نوازا تھا۔ امی نے اگلے روز بجو کے آفس چلے جانے کے بعد میری کلاس لی تھی۔ مجھے میری اوقات یاد دلانے کی کوشش کی تھی اور میری حدود مجھے سمجھائی تھیں مگر میں لاپروائی سے چیونگم چباتی رہی تھی۔ امی وہ سوٹ واپس کر کے بجو کے لیے ہلکے رنگوں سے مزین دوسرا سوٹ لے آئی تھیں۔

امی نے گھر پر قرآن خوانی کا انتظام کیا تو سب نے وہی سوٹ پہنے اس روز اس سفید لباس میں میں کسی حور شمائل سے کم نظر نہیں آرہی تھی۔

"ارے یہ سفید پری کون ہے۔" اشعر بھائی نے اندر داخل ہوتے ہی مجھے دیکھ کر مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا تھا۔ سب کے تعریفی جملے اور والہانہ نظریں مجھے ساتویں آسمان پر پہنچا رہے تھے۔ یہاں تک کہ امی نے اندر کمرے میں مجھے بلا کر میرے اوپر نظر کی دعا پڑھ کر پھونکی تھی۔ وہ تمام رشتہ دار جنہوں نے ان گزرے برسوں میں کبھی پلٹ کر بھی ہماری طرف نہ دیکھا تھا، امی نے ان سب کو بھی انوائٹ کیا تھا، شاید ایسا انہوں نے اپنی انا کی تسکین کے لیے کیا تھا۔ وہ شاید سب کو یہ دکھانا چاہتی تھیں کہ دیکھ لو تم لوگوں کی مدد کے بغیر بھی ہم لوگ کتنے اچھے طریقے سے جی رہے ہیں۔ دیکھو یہ میری بیٹی ہے نور الصباح توقیر۔ آج

ایک بہت بڑی کمپنی میں شاندار پوسٹ پر کام کر رہی ہے۔ بے شمار لوگ اس کے انڈر میں کام کرتے ہیں۔ دیکھ لو اس کی کامیابیاں کسی کی مرہونِ منت نہیں۔ میری بیٹی سیلف میڈ ہے۔ یہ سارا اہتمام غالباً" تھا ہی ان کی پذیرائی کے لیے۔

انوائٹ تو امی نے ممانی جان کو بھی کیا تھا مگر ان کے آنے کی امید ہم میں سے کسی کو بھی نہیں تھی۔ مگر جب ممانی جان اور حمیرا لاؤنج میں داخل ہوئے تو ہم سب ہی حیران رہ گئے۔ وہ خود آئیں تو آئیں ان کی لاڈلی، نخریلی حمیرا نے بھی ہم غریب رشتہ داروں کے گھر قدم رنجہ فرمایا۔ یہ بات خاصی تعجب خیز تھی۔ عروبہ آپی کی شادی پر جس طرح وہ صرف تحفہ ہمارے منہ پر مارنے آئی تھیں اور پھر اس کے بعد فریال کی شادی کا کارڈ جس طرح انہوں نے اپنے ڈرائیور کے ہاتھ ہمارے گھر بھیجا تھا۔ اس کے بعد سے مجھے ان سے شدید نفرت ہو گئی تھی۔ شادی پر ہمارے ہاں سے صرف امی، بجو اور طہٰ ہی گئے تھے۔ میں ایسے گھمنڈی رشتہ داروں کے ہاں قدم رکھنے کو اپنی ذلت سمجھتی تھی۔

پھر ان کی آمد کا عقدہ بھی جلد ہی کھل گیا۔ ورنہ ان کا اور حمیرا کا ہم لوگوں سے میٹھی میٹھی باتیں کرنا ہم میں سے کسی سے بھی ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ حمیرا کا نکاح انہوں نے اپنے بھانجے خاور کے ساتھ تین چار ماہ پہلے ہی کیا تھا۔ خاور، بجو ہی کی فرم میں ان کے انڈر کام کر رہا تھا۔ مجھے ان کی باخبری پر حیرت ہی تھی۔ ایسے لوگ اپنے مطلب کی معلومات کتنی جلدی اور فوراً" حاصل کر لیتے ہیں۔ کبھی ہمیں منہ نہ لگانے والی ممانی جان، تھوڑی دیر بعد بجو کا ہاتھ تھام کر

"خاور کا خیال رکھنا، ذرا لاابالی سا ہے۔ ویسے محنتی اور ذہین بہت ہے۔ بس یہ کہ ابھی پڑھ کر نکلا ہے۔ پریکٹیکل لائف کے اتار چڑھاؤ کا اسے صحیح سے اندازہ ہی نہیں ہے۔ اتنی اچھی جاب بھی اسے بھائی صاحب کے تعلقات کی وجہ سے مل گئی ہے اس لیے اور بے فکرا ہے۔ خود محنت کر کے ڈھونڈی ہوتی تو ذرا سنجیدہ بھی ہوتا۔ بس تم ذرا اس پر بڑی بہنوں والا رعب رکھنا۔"

کہتی نظر آرہی تھیں۔ ان کے غرور و تکبر کا بت ٹوٹتا دیکھ کر میں، فہمی اور عروبہ آپی سب ہی کے چہروں پر پُرسکون مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"ممی! دیکھیں یہ نینا بڑی ہو کر کتنی اٹریکٹو ہو گئی ہے۔" چلتے وقت حمیرا جو تقریباً" میری ہم عمر ہی تھی ممانی جان سے مخاطب ہوئی۔

"تم نے اب غور سے دیکھا ہے' یہ تو ہمیشہ ہی سے اتنی کیوٹ اور چارمنگ تھی۔" انہوں نے میرا گال چھو کر پیار سے کہا۔ میں نے یہ تعریف اپنا حق سمجھ کر وصول کی۔ اس روز رات گئے تک ممانی جان اور حمیرا ہی ہمارے گھر میں موضوع بحث بنے رہے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥
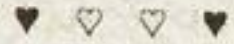
ثنا کی شادی کا کارڈ آیا تو بجو کے مشورے پر امی نے شادی میں شرکت کے لیے لاہور جانے کا پروگرام بنایا۔ فہمی' امی کے ساتھ جا رہی تھی گو وہ جانے پر کسی طور راضی نہ تھی۔ مگر بجو کی بات ٹالنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

مجھے اس پر بہت غصہ آیا تھا۔ پتا نہیں یہ فہمی اور عروبہ آپی اس قسم کی کیوں ہیں۔ عروبہ آپی کو بھی جب دیکھو' بجو کے قصیدے پڑھتی نظر آئیں گی۔ امی اور فہمی کے چلے جانے کے بعد میں نے کئی بار یہ بات سوچی تھی۔ امی اور فہمی کا وہاں ایک ہفتہ قیام کا ارادہ تھا۔ کالج سے آکر اکیلا گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ طٰہٰ اسکول سے آکر کھانا کھانے کے بعد ہوم ورک کرنے اور پھر اس کے بعد اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے چلا جاتا اور میں اکیلی سائیں سائیں کرتے گھر میں بولائی بولائی پھرتی۔

بجو کے پاس آج کل آفس میں کام کا کچھ زیادہ ہی لوڈ تھا۔ اکثر وہ آفس سے لیٹ آیا کرتی تھیں۔ عروبہ آپی کے سسر ان دنوں سخت بیمار تھے' اس لیے وہ بھی مجھے کمپنی دینے کے لیے آنے سے قاصر تھیں۔ غالباً" کام کی زیادتی ہی کی وجہ سے بجو عروبہ آپی کے ہاں ان کے سسر کی عیادت کے لیے بھی نہیں جا سکی تھیں۔ ان کی سسرال میں روز اول کی طرح آج بھی بجو بے حد پسندیدہ شخصیت تھیں۔

ہم لوگ ان کے گھر جاتے یا وہ لوگ ہمارے ہاں آتے آنٹی اور انکل بجو کی تعریفوں میں زمین آسمان ایک کرتے رہتے۔ آنٹی نے کبھی میری خوبصورتی کی تعریفیں نہیں کی تھیں انہیں بجو کی مداح سرائی سے فرصت ملتی تو کسی اور طرف نظر بھی جاتیں۔

اس روز میں دوپہر کے کھانے کے بعد کمرے میں لیٹی سونے کی کوششیں کر رہی تھی جب فون کی بیل بجی۔

دوسری طرف اشعر بھائی بھرائی ہوئی آواز میں اپنے والد کے انتقال کی خبر دے رہے تھے۔ وہ بہت عجلت میں تھے' شاید انہیں دیگر رشتہ داروں کو بھی یہ اطلاع دینی تھی۔ میں واپس کمرے میں آکر لیٹی تو ذہن میں عجیب سا ایک خیال آیا۔ شام میں بجو واپس آئیں تو میں نے انہیں اس بارے میں کچھ نہ بتایا۔ اشعر بھائی نے بتایا تھا کہ جنازہ عشاء کے وقت اٹھایا جائے گا۔ ابھی بہت وقت تھا۔ ہم لوگ آسانی سے وہاں پہنچ سکتے تھے۔ بلکہ یہی کیا اگر میں چاہتی تو اسی وقت بجو کو آفس فون کر کے یہ اطلاع دے سکتی تھی وہ فوراً" آجاتیں۔

میں نے روٹین کے انداز میں ان کے ساتھ باتیں کیں۔ رات کا کھانا ہم دونوں نے مل کر تیار کیا۔ کھانے کے بعد بھی ہم تینوں نے بہت دیر تک آپس میں ادھر ادھر کی باتیں کی تھیں۔ طٰہٰ کو بجو کے آفس میں زیادہ دلچسپی تھی اور وہ اسی کے بارے مختلف باتیں پوچھ رہا تھا۔

امی کا ایک ہفتہ کا قیام مزید طول پکڑ گیا تھا۔ امی کی واپسی ہوئی تو عروبہ آپی کے سسر کی بیماری کی اطلاع سن کر امی بے چین سی ہو گئی تھیں۔

"نورا! تمہیں ان کی عیادت کے لیے ضرور جانا چاہیے تھا۔"

انہوں نے بجو کو مخاطب کیا تو وہ شرمندگی سے سر جھکا کر بولیں "امی! مجھے خود اس کوتاہی کا بہت احساس ہو رہا ہے۔ آفس میں کام کا پریشر تھا۔ گھر میں اتنی تھک جاتی تھی کہ کہیں جانے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔"

"جا نہیں سکی تھیں تو کم از کم فون پر ہی روزانہ خیریت معلوم کرتی رہتیں۔ سسرال کا معاملہ ہے لاکھ وہ لوگ کتنے بھی اچھے سہی پر اس بات کو مائنڈ تو کر سکتے ہیں۔" امی کو پہلی مرتبہ نور بجو کی کوئی برائی نظر آئی تھی۔

"ایسا کرتے ہیں۔ ابھی کھانا کھا کر چلتے ہیں۔ ان کی عیادت بھی ہو جائے گی اور جو تحائف ان لوگوں کے لیے لائی ہوں' وہ بھی دے دوں گی۔"

"امی! میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلوں گی۔ مجھے یمنیٰ بہت یاد آرہی ہے۔"

میں نے اپنی پیاری سی بھانجی کا ذکر بڑے پیار سے لیا تھا۔

ان کے گھر پہنچے تو وہاں کا منظر دیکھ کر امی اور بجو دونوں ساکت رہ گئیں۔ لاؤنج کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بچھی ہوئی چاندنیاں اور سپارے پڑھتی ہوئی خواتین کو دیکھ کر وہ دونوں ہی ٹھٹک کر رک گئی تھیں۔

ہم تینوں دروازے پر ہی رکے ہوئے تھے جب برابر والے کمرے سے اشعر بھائی نکلے۔ انہوں نے ہم لوگوں کو دیکھ لیا تھا۔ امی کو خشک سے انداز میں سلام کر کے انہوں نے بجو اور مجھے تو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا اور ہمیں اندر آنے کے لیے کہنے کے بجائے واپس مڑ گئے تھے۔ انہوں نے اپنی ناراضی چھپانے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

امی داماد کے تیور دیکھ کر بری طرح دہل گئی تھیں۔ بجو کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑتی نظر آرہی تھیں۔ وہاں انکل کے دسویں کے سلسلے میں قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ امی اور بجو مجرموں کی طرح چپ چاپ سپارے لے کر بیٹھ گئی تھیں۔ عروبہ آپی جو ادھر سے ادھر مختلف کام نمٹاتی پھر رہی تھیں شکوہ کناں نظروں سے بجو کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں امی اور بجو کی کیفیت کا بخوبی اندازہ کر سکتی تھی۔ امی جیسی وضع دار اور روایت پرست خاتون کا اس پل یہی دل چاہ رہا ہو گا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں۔ اپنے برابر میں رکھے تحفوں کے انبار انہیں سانپ بچھو نظر آرہے تھے۔ اور بجو تو ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی پھانسی کی سزا پانے والا مجرم۔

امی نے بہت جھجکتے ہوئے آنٹی سے تعزیت کی تھی۔ انہوں نے منہ سے تو کچھ نہیں کہا تھا مگر ناپسندیدگی کا واضح اظہار ہوتا ان کے چہرے پر صاف نظر آرہا تھا۔

"بجو! آپ نے مجھے سسرال میں ذلیل کروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" قرآن خوانی کے اختتام پر جب دعا ہو رہی تھی عروبہ آپی ہم لوگوں کے پاس آکر آہستہ آواز میں بولی تھیں۔

بجو جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر امی نے انہیں اشارے سے چپ رہنے کو کہا۔ واپسی میں ہم تینوں ہی خاموش تھے۔ گھر آکر امی کسی سے کچھ کہے بغیر کمرے میں چلی گئی تھیں اور بجو وہیں لاؤنج میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

اگلے روز امی نے اپنا تمام تر غصہ بغیر کسی لحاظ کے بجو پر منتقل کر دیا تھا۔ بجو نے اپنی صفائی میں تھوڑا بہت بولنے کی کوشش کی مگر پھر امی کا حد سے بڑھا ہوا اشتعال انہیں چپ کروا گیا تھا۔ پھر چالیسویں تک امی اور بجو بے شمار مرتبہ وہاں گئے مگر وہاں سب کے رویے حسب سابق ہی تھے۔ اشعر بھائی خاص طور پر ہم لوگوں سے سخت ناراض تھے۔ آنٹی نے براہ راست کوئی شکایت تو نہیں کی تھی مگر ایک ان دیکھی دیوار ہمارے اور ان کے بیچ حائل ہو گئی تھی۔ اب وہاں بجو کا پرجوش خیر مقدم نہیں ہوتا تھا۔

"بیٹی ہو تو ایسی ہو۔" "مجھے خدا سے شکوہ ہے کہ ایسی بیٹی مجھے کیوں نہ دی۔" قسم کے جملے سنائی نہیں دیتے تھے۔

عروبہ آپی نے بھی ہمارے ہاں آنا جانا چھوڑ رکھا تھا۔ اشعر بھائی جیسے پڑھے لکھے اور کلچرڈ شخص سے یہ امید تو نہیں تھی کہ انہوں نے عروبہ آپی پر کوئی پابندی لگائی ہو گی' میرا خیال ہے۔ وہ خود ہی نہیں آرہی تھیں۔ بجو ان دنوں بہت بجھی بجھی اور الجھی ہوئی نظر آتی تھیں۔ امی کو تو انہوں نے منا لیا تھا مگر بہنوئی اور ان کے گھر والوں کے دلوں پر چھا جانے والی بدگمانی کیسے دور کرتیں۔ دو مہینے بعد عروبہ آپی ہمارے ہاں آئی تھیں' وہ بھی امی کی طبیعت کی خرابی کا سن کر۔ اشعر بھائی انہیں چھوڑ کر باہر سے ہی چلے گئے تھے۔

"عروبہ! میں مانتی ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی' انکل کی بیماری کا سن کر بھی انہیں دیکھنے نہیں گئی مگر یقین کرو۔ انتقال کی خبر ہمیں ملی ہی نہیں تھی۔ تم کم سے کم فون تو کر دیتیں۔" وہ عروبہ آپی کے ہاتھ تھام کر لجاجت سے گویا ہوئی تھیں۔

"کتنی بار فون کرتے۔ میرے سامنے اشعر نے یہاں فون کیا تھا۔ اس وقت ٹینشن اتنی تھی کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان کی بات نینا سے ہوئی تھی یا طٰہٰ سے۔ مگر انہوں نے سب سے پہلے یہیں فون کیا تھا۔" وہ ان کا ہاتھ جھٹک کر خفگی سے بولی تھیں۔ بجو اور امی نے فوراً" میری طرف دیکھا تھا۔

"میں نے تو فون اٹینڈ نہیں کیا تھا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اتنی امپورٹنٹ بات میں بتانا بھول جاؤں۔ میرا خیال ہے گلزاری نے فون سنا ہو گا اور پھر اپنی بھلکڑ عادت کے پیش نظر مجھے بتانا بھول گئی ہو گی لیکن اگر یہاں سے کوئی نہیں گیا تو عروبہ آپی فون کر کے پتا تو کرتیں۔" میں نے بغیر کسی گھبراہٹ کے ہمارے گھر کام کرنے والی ماسی کا نام لیا۔ اشعر بھائی میری اور گلزاری کی آوازوں میں فرق کر سکتے

تھے مگر یہاں ان سے جا کر تصدیق کس نے کرنی تھی۔ مجھے پتا تھا' وہ اس بات پر اتنے غصے میں ہیں کہ مزید ایک لفظ بھی اس موضوع پر کہنا سننا نہیں چاہتے۔

"بجو! سسرالی کتنے بھی اچھے ہوں' آخر کار سسرالی ہی ہوتے ہیں' وہاں معافی اتنی آسانی سے نہیں ملتی۔ آپ کو کیا پتا' آپ کی وجہ سے میں آنٹی اور اشعر کے سامنے خود کو مجرم سا محسوس کرتی ہوں۔ آنٹی اور انکل نے ہمیشہ آپ سب کا کتنا خیال رکھا ہے۔ اشعر نے آپ سب کو ہمیشہ کتنی عزت دی ہے اور جواب میں یہاں سے یہ سلوک ہوا ہے کہ ان کے دسویں کے روز تعزیت ہوئی ہے۔ شگفتہ بھابھی کے سارے گھر والے ہر ہر موقع پر سب سے آگے تھے اور میرے میکے میں کسی کے پاس آنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ بجو آپ بہت بڑی آفیسر بن گئی ہیں۔ آپ کے پاس اب شاید ہم لوگوں کے لیے وقت نہیں رہا۔"

عروبہ آپی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔ بجو سر جھکائے اپنے آنسو روکنے کی سعی کر رہی تھیں۔ اس رات میں نے بجو کو ابا میاں کی تصویر سینے سے لگائے زار و قطار روتے دیکھا تھا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹی بری طرح رو رہی تھیں۔ میں ایک نظر انہیں دیکھتی واپس اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

دن یونہی اداس اداس گزر رہے تھے جب سالک بھائی کی واپسی نے ماحول پر چھائے جمود کو توڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی آمد ہم لوگوں کے لیے سرپرائز تھی' انہوں نے اپنی واپسی کا کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔ انہیں دیکھ کر بجو کے چہرے پر پھیلتے رنگ میری نظروں سے پوشیدہ نہیں تھے۔ ان گزرے برسوں میں وہ مزید ہینڈسم اور اسمارٹ ہو گئے تھے۔ ان کی ڈریسنگ' ان کی بات چیت' ان کی شاندار پرسنیلٹی، میں ان سے بری طرح مرعوب ہو گئی تھی۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر بے ساختہ میری خوبصورتی کی تعریف کی تھی۔ تعریف کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے بڑے بچوں کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ ہم سب کے لیے گفٹس لائے تھے۔ میرے اور طٰہٰ کے لیے ڈھیر سارے چاکلیٹس بھی لائے تھے۔

"سالک بھائی! آپ ہمیں ابھی بھی بچہ سمجھتے ہیں۔" طٰہٰ ہنستے ہوئے بولا تھا اور جواب میں وہ بھی مسکرا دیے تھے۔

"میرے لیے تو بچے ہی ہو۔" بجو کو اس روز میں نے بہت عرصے بعد مسکراتے دیکھا تھا۔

سالک بھائی کو پی آئی اے میں مارکیٹنگ کے شعبے میں جاب مل گئی تھی۔ ممانی جان بیٹے کی شاندار جاب پر اترائی اترائی پھر رہی تھیں۔ ان کے بیٹے کے کیریر کا آغاز ہی اتنا شاندار ہوا ہے' آگے تو وہ پتا نہیں کتنی ترقی کرے گا۔ ان کے چہرے پر اسی قسم کے تاثرات نظر آتے تھے۔

بجو ان دنوں بہت خوش رہنے لگی تھیں۔ اسٹائل ان دونوں کا وہی تھا' ایک دوسرے سے رسمی اور پرتکلف گفتگو کرتے۔

ان ہی گزرتے دنوں میں پھوپھی بیگم نے فہمی کے لیے سعد کا رشتہ دے کر ہم سب کو ہی چونکا دیا تھا۔ فہمی تو رشتہ داروں سے ویسے ہی بہت چڑا کرتی تھی اب جو یہ پتا چلا کہ اس رشتے میں پھوپھی بیگم سے بھی زیادہ سعد کی مرضی شامل ہے تو وہ بہت آگ بگولا ہوئی تھی۔ خود امی بھی بجو سے پہلے فہمی کی شادی کرنے کے حق میں نہیں تھیں۔ انہیں ان دنوں بجو کی شادی کی بہت فکر رہنے لگی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے بجو کو بتائے بغیر ہی ہماری جاننے والی ایک آنٹی جو لوگوں کے رشتے کروایا کرتی تھیں سے بجو کے لیے بات کی تھی۔ وہ ہمارے گھر دو تین رشتے لے کر بھی آئی تھیں اور بجو نے اس بات پر بہت اعتراض بھی کیا تھا۔ مگر امی نے ان کے کسی اعتراض کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

"میں ان ماؤں میں سے نہیں ہوں جو اپنی کسی ایک اولاد کو غیر ضروری پیسے چلی جاتی ہے۔ کل کو مجھے خدا کے سامنے بھی جواب دہ ہونا ہے کہ اپنی بیٹی کی زندگی کا بہترین حصہ میں نے اپنی خود غرضی کی بھینٹ چڑھا دیا۔ تمہارے ابا میاں کے بعد جتنے برے حالات تھے جب ہم ان میں رہ لیے تو اب تو اللہ کا بہت کرم ہے۔"

انہوں نے بجو سے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔ مگر ان دو تین آنے والے رشتوں میں سے ہر رشتہ خود بخود میری طرف منتقل ہو جاتا تھا۔ بجو شکل صورت میں ہم سب بہنوں سے کم تھیں۔ میری تو خیر بات ہی کیا تھی مگر عروبہ آپی کی سنہری رنگت اور لمبے سلکی بال' فہمی کا دراز قد' نازک سراپا اور گورا رنگ بجو کو ہم لوگوں کے مقابل بڑا عام شکل صورت کا ظاہر کرتے تھے۔ ہم لوگوں کے بغیر انہیں دیکھا جاتا تو وہ قبول صورت کہلائی جا سکتی تھیں مگر جس وقت ہم چاروں بہنیں موجود ہوتیں بجو سب سے کمتر نظر آتی تھیں۔ بالکل عام سی۔ فہمی تو مہمانوں کے سامنے نہیں آتی تھی مگر میں کسی نہ کسی بہانے یا تو ڈرائنگ روم میں آجاتی یا وہیں آس پاس سے اس طرح سے گزرتی کہ اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کی مجھ پر نظر پڑ جاتی اور بس پھر اگلے روز آنٹی بڑی شرمندگی سے امی کو اطلاع دیتیں کہ "وہ لوگ نینا کو پسند کر گئے ہیں اور بضد ہیں کہ بات آگے چلائی جائے۔"

امی نے مجھ پر پابندی لگا دی تھی کہ میں مہمانوں کی آمد کے وقت اس طرف پھٹکوں بھی نہ۔

"چلو تمہارا شادی میں لاہور جانا کام آگیا۔" میں نے فہمی کو چھیڑا تو وہ غصے میں مجھے گھورتی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

بجو نے آخر کار بڑی جدوجہد کے بعد امی کو اس رشتے کے حق میں ہموار کر لیا تھا۔

"فہمی کی شادی ہو جانے دیں۔ اس کے بعد آپ جس کسی سے شادی کرنے کو کہیں گی۔ میں کر لوں گی۔"

انہوں نے امی سے کہا تھا۔ اس روز بجو' فہمی کو اس رشتے کے حق میں قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ فہمی بجو سے پہلے اور وہ بھی خاندان میں شادی کرنے پر کسی طور پر راضی نہ تھی۔

"رشتے دار سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہمارے رشتے داروں کا رویہ کوئی انوکھا نہیں تھا جو اسے دل سے لگا کر بیٹھا جائے۔ ذرا سوچو کل تک جو لوگ ہمارے گھر زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتے تھے کہ کہیں ہم ان سے کوئی مدد نہ مانگ لیں۔ آج وہ ہمارے ساتھ مزید رشتے استوار کرنا چاہتے ہیں اور پھر سعد بہت اچھا ہے۔ میں اس سے کئی بار ملی ہوں۔ ایجوکیٹڈ اور ڈیسنٹ سا۔ اور جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ مجھ سے پہلے تمہاری شادی کیوں ہو رہی ہے تو میں کیا کروں۔ فلائٹ لیفٹیننٹ سعد احمد نے مجھے پسند ہی نہیں کیا۔ ورنہ میں تو کبھی انکار نہ کرتی۔ اتنے ہینڈسم بندے کو کوئی بے وقوف لڑکی ہی انکار کر سکتی ہے۔"

وہ گفتگو کے اختتام پر شوخی سے مسکرائی تھیں۔ سالک بھائی اسی وقت لاؤنج میں داخل ہوئے تھے اور بجو کی باتیں یقیناً انہوں نے سن لی تھیں۔

"اور اگر کوئی ہینڈسم' ایجوکیٹڈ اور ڈیسنٹ سا بندہ آپ کو پسند کرے تو آپ کا جواب کیا ہوگا؟"

وہ براہ راست بجو کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے تھے۔ ان کے انداز پر بجو ایک دم سٹپٹا گئی تھیں۔ لاؤنج میں اس وقت میں' بجو اور فہمی موجود تھے۔

"تم کب آئے' پتا ہی نہیں چلا۔" بجو اپنے چہرے پر پھیلنے والے رنگوں کو چھپاتی گویا ہوئی تھیں۔ وہ بجو کے انداز پر معنی خیز انداز میں ہنس پڑے تھے۔

فہمی تو اپنی ہی الجھنوں میں گم تھی مگر میں پوری توجہ سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ بجو فوراً ہی چائے بنانے کا بہانا کرتی وہاں سے اٹھ گئی تھیں اور سالک بھائی مجھ سے اور فہمی سے باتیں کرنے لگے تھے مگر ان کے لب ابھی بھی کسی بات پر مسکرا رہے تھے۔

ایسا غیر معمولی تو ان میں کچھ بھی نہیں جو سالک بھائی جیسا شاندار بندہ ان کے عشق میں مبتلا ہو۔ پتا نہیں اتنی عام سی شخصیت کے باوجود ان میں ایسا کیا جادو تھا کہ سالک بھائی امریکہ جیسے ملک میں اتنے سال گزارنے کے باوجود بھی ان ہی کے اسیر تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

جس طرح بجو نے عروبہ آپی کو شادی کے لیے راضی کر لیا تھا' بالکل اسی طرح وہ فہمی سے بھی اپنی بات منوا چکی تھیں۔ شادی کی تیاریوں میں سالک بھائی نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ امی اور بجو اکثر شاپنگ کرنے ان ہی کے ساتھ جاتی تھیں۔

شادی کے موقع پر اشعر بھائی بھی اپنی ناراضی فراموش کر کے ہر موقع پر پیش پیش رہے تھے۔ آنٹی نے بھی شادی کے تمام فنکشنز میں شرکت کر کے امی کے دل میں موجود خدشات کو کسی حد تک ختم کر دیا تھا۔ مگر بجو کے ساتھ بات کرتے ہوئے اب آنٹی کے لہجے میں وہ محبت اور چاہت نہیں تھی جو ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔

تمام تر تقریبات میں' میں مرکز نگاہ بنی رہی تھی۔ شادی کے ہنگامے سرد پڑتے ہی خاندان میں اور خاندان سے باہر کئی جگہوں سے میرے لیے رشتے آئے تھے۔ امی نے ان سب کو صاف انکار کر دیا تھا۔

ممانی جان جو پچھلے کچھ عرصے سے ہم لوگوں پر بہت

مہربان ہو گئی تھیں، شادی کے موقع پر سخت بیزار دکھائی دیں۔ خاص طور پر بجو کے لیے ان کی آنکھوں میں، میں نے شدید نفرت محسوس کی۔ جو بات میں نے برسوں پہلے محسوس کرلی تھی وہ شاید انہوں نے اب محسوس کی تھی اور اسی بات نے انہیں بیزار کرر کھا تھا۔

"میں اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی کسی بہت ہی حسین لڑکی سے کروں گی۔ کوئی معمولی شکل صورت والی لڑکی میری بہو نہیں بن سکتی۔" انہوں نے ولیمے والے دن خاصے جتانے والے انداز میں تائی اماں سے کہا تھا۔

آواز اتنی بلند تھی کہ پاس سے گزرتی بجو یہ جملے ضرور سن لیں اور اپنی تمام تر خوش فہمیاں دور کر سکیں۔ مگر بے چاری ممانی جان بیٹے کی ضد کے آگے نہیں ٹھہر پائی تھیں۔ فہمی کی شادی کے مہینہ بھر بعد جب ممانی جان سالک بھائی کا رشتہ لے کر آئیں تو میں بجو کے نصیب پر عجیب سا رشک محسوس کرنے لگی۔ یہ جب جیسا چاہتی ہیں، ویسا ہی کیوں ہو جاتا ہے۔ جسے چاہا، وہ دل و جان سے ان کا طلب گار ہے سب کے سامنے خدمت گزاری اور قربانیوں کے میڈل بھی پہن لیے اور اپنی محبت بھی حاصل کرلی۔

پروپوزل لے کر ممانی بہت پھولے منہ سے آئی تھیں مگر امی پھر بھی بہت خوش تھیں۔ سالک بھائی انہیں اتنے پسند تھے کہ وہ ممانی جان کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر بھی بدمزہ نہیں ہوئی تھیں۔ ایک بے کلی اور اضطراب مجھے لاحق تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ میں کیا چاہتی ہوں۔

"بجو! آپ اس رشتے سے انکار کردیں۔ آپ کا تو ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی افیئر بھی نہیں ہے مگر میں ان سے محبت کرتی ہوں اور ان کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گی۔"

رات بجو کے کمرے میں جا کر جب میں نے ان سے یہ بات کی تو میرے بے باک اور دو ٹوک انداز پر وہ سکتے کی کیفیت میں مجھے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔ یہ کپڑوں کا مسئلہ نہیں تھا کہ میں کہوں مجھے اپنا شاکنگ پنک سوٹ اچھا نہیں لگ رہا، میں آپ کا وائٹ سوٹ لوں گی اور وہ فراخ دلی سے سوٹ مجھے دے دیں۔ یہ ایک جیتے جاگتے انسان کا سوال تھا۔ جس سے انہیں پتا نہیں کب سے محبت تھی۔ میرا انداز التجائیہ نہیں بلکہ اپنا حق مانگنے والا تھا۔ انہیں حیران پریشان چھوڑ کر میں واپس اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

"نینا! کل رات تم نے جو کچھ کہا، کیا وہ سچ تھا؟" اگلے روز بجو نے بڑی سنجیدگی سے مجھ سے دریافت کیا تھا۔

"یہ میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے بجو! اتنی بڑی بات مذاق میں نہیں کہی جاتی۔" میں بغور ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ وہ سر پکڑ کر پتا نہیں کیا سوچنے لگی تھیں۔

"نینا! ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ممانی جان اور پھر خود سالک۔" وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولی تھیں۔

اسی وقت عروبہ آپی کمرے میں داخل ہوئی تھیں، وہ دو چار روز رکنے کے پروگرام سے آئی ہوئی تھیں۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ اشعر بھائی کا پروپوزل بھی تو آپ ہی کے لیے آیا تھا۔ یقیناً" اس میں آنٹی اور اشعر بھائی دونوں ہی کی مرضی شامل رہی ہوگی۔ جس طرح آپ ان کے گھر جا کر رشتے سے انکار کرکے انہیں اس بات پر آمادہ کرسکتی تھیں کہ وہ عروبہ آپی کے لیے رشتہ لائیں تو اب اسی طرح ممانی جان کو قائل کریں کہ وہ میرے لیے رشتہ لائیں۔"

بجو مجھے تنبیہی نظروں سے دیکھ رہی تھیں مگر میں نے ان کی نظروں سے بے نیاز اپنی بات بڑے سکون سے مکمل کی تھی۔ میری باتوں پر عروبہ آپی کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جارہا تھا۔ شادی کے اتنے سالوں بعد یہ انکشاف ان کے لیے کسی شاک سے کم نہیں تھا۔ وہ جو ہمارے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھیں، ایک دم اٹھ کر کمرے سے چلی گئی تھیں۔ بجو فوراً" اٹھ کر ان کے پیچھے گئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد برابر والے کمرے سے عروبہ آپی کے چیخ چیخ کر رونے کی آواز آرہی تھی۔

"بجو! آپ نے میرے رشتے کے لیے جا کر آنٹی سے بھیک مانگی تھی۔ کیوں بجو! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ میری انسلٹ کرنے کا حق آپ کو کس نے دیا تھا۔ اپنے لیے آیا رشتہ آپ نے بھیک بنا کر میری جھولی میں ڈال دیا۔ کاش یہ بات مجھے کبھی پتا نہ چلتی۔ میں آج تک یہی سمجھتی رہی کہ مجھے آنٹی نے پسند کیا تھا۔ یہ کتنی کڑوی سچائی ہے بجو کہ وہ گھر جہاں میں رہتی ہوں، وہاں کسی کو میری ضرورت نہ تھی میں وہاں ان چاہی بن کر گئی تھی۔"

وہ بجو کی کوئی بات نہیں سن رہی تھیں۔ عروبہ ہی کی چیخ پکار پر امی بھی سوتے سے اٹھ گئی تھیں مگر وہ امی اور بجو دونوں میں سے کسی کے قابو میں نہیں آرہی تھیں۔ صبح وہ بغیر ناشتہ کیے طہ سے ٹیکسی منگوا کر امی اور بجو کے روکنے کے باوجود واپس چلی گئی تھیں۔

"کیوں کی تھی تم نے عروبہ کے سامنے وہ فضول بکواس۔؟" امی کو بجو یقیناً "سب کچھ بتا چکی تھیں۔

"میں نے کوئی بکواس نہیں کی جو سچ تھا وہی کہا۔ کیا عروبہ آپی ان کی زیادہ لاڈلی تھیں کہ وہ ان کی خاطر اپنے لیے آیا رشتہ ٹھکرا دیں اگر بجو، عروبہ آپی کی خاطر انکار کرسکتی تھیں تو اب میرے لیے بھی انہیں انکار کردینا چاہیے۔"

امی کا زوردار تھپڑ میرے منہ پر پڑا تھا۔ میں گال پر ہاتھ رکھے ایک ٹک انہیں دیکھے جارہی تھی۔ صوفے پر بیٹھی بجو بے اختیار اٹھ کر ہم لوگوں کی طرف آئی تھیں۔

"تم جیسی منہ زور، بدلحاظ اور خود غرض لڑکی میری بیٹی نہیں ہو سکتی۔" وہ غصے سے میرے اوپر چیخ رہی تھیں۔

"امی پلیز! اتنا غصہ مت کریں۔ نینا کو میں سمجھا دوں گی۔" بجو امی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں صوفے کی طرف لے جانے لگیں تو وہ ان کا ہاتھ جھٹک کر بولیں۔

"نورا کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں اس بے غیرت کی حمایت کرنے کی۔ اگر اس کی طرف داری میں تم نے مجھ سے ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہیں بھی کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

وہ ایک نفرت بھری نگاہ مجھ پر ڈال کر کمرے میں چلی گئی تھیں۔ سارا دن امی بھوکی پیاسی کمرہ بند کرکے پڑی رہی تھیں۔ میں بھی کھانا کھائے بغیر اپنے کمرے میں چپ چاپ لیٹی ہوئی تھی۔ بجو اور طہ، امی کو منانے اور ان سے دروازہ کھلوانے کا ہر جتن کرچکے تھے۔ مگر وہ بغیر کوئی جواب دیے اپنے کمرے میں بند تھیں۔

"نینا! تم آکر امی کو مناؤ۔ وہ تم سے ناراض ہیں۔ تم معافی مانگو گی تو وہ دروازہ کھول دیں گی۔" بجو نے مجھ سے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔

"کس بات کی معافی مانگوں؟ معافی تو انسان اپنی غلطی کی مانگتا ہے اور میرے خیال میں میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ کسی سے محبت کرنا کوئی غلطی نہیں۔ میں نے صرف یہی تو کہا تھا کہ میں سالک سے محبت کرتی ہوں اور آپ میری خاطر اس رشتے سے انکار کردیں۔ مگر میرا خیال ہے آپ ایسا کریں گی نہیں کیونکہ شاید آپ کا خود بھی انٹرسٹ وہیں ہے۔ اشعر بھائی کے لیے آپ نے اس لیے انکار کردیا تھا کیونکہ آپ کو خود ان میں کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر یہاں شاید آپ کی اپنی پسند بھی شامل ہے اور آپ میری خاطر اس سے کیسے دستبردار ہوسکتی ہیں۔" میرا لہجہ نہایت کاٹ دار اور طنزیہ تھا۔

بجو کچھ دیر کھڑی خاموشی سے مجھے دیکھتی رہیں۔ اس کے بعد بڑے تھکے تھکے قدموں سے چلتی کمرے سے نکل گئی تھیں۔ اگلے روز میں بڑے سکون سے یونیورسٹی چلی گئی تھی۔ میرا آنرز کا دوسرا سمسٹر چل رہا تھا۔ واپس آئی تو بجو گھر پر ہی نظر آئیں۔ انہوں نے آفس سے چھٹی کرلی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل پر امی اور بجو دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ امی نے میرے سلام کا جواب تک نہیں دیا تھا۔ میں نے بھی مزید کوئی بات چیت کیے بغیر سکون سے کھانا کھایا اور پھر آکر اپنے کمرے میں لیٹ گئی۔

"اب پتا چلے گا نور الصباح تو قیر کہ آپ کتنے پانی میں ہیں۔ مانگے بغیر عروبہ آپی اور فہمی پر تو آپ احسانات کے پہاڑ لاد چکی ہیں۔ مگر یہاں مقابل میں ہوں نینا تو قیر اور میں کسی سے بھیک نہیں لیتی۔ دیکھتے ہیں، قربانیوں کی دیوی اپنی محبت سے دستبردار ہوتی ہے یا نہیں۔ ایک بار میں آپ کو عام انسانی سطح پر آتا دیکھ لوں تو میرے دل کو قرار آجائے۔ آپ بھی اتنی ہی خود غرض ہیں جتنا ایک عام آدمی ہوتا ہے۔"

♥ ♡ ♡ ♥
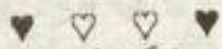
پھر بہت سے دن یونہی گزر گئے تھے۔ میں صبح یونیورسٹی چلی جاتی، دوپہر میں آنے کے بعد اپنے کمرے میں جو بند ہوتی تھی تو پھر اگلی صبح ہی کمرے سے باہر نکلتی تھی۔ امی میری شکل دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا کرتی تھیں۔ ان کی نفرت اور بیگانگی میرے لیے نئی تو نہیں تھی۔ اب کی بار تو چلو مان لو کہ غلطی کسی حد تک میری تھی۔ امی اپنی کسی بیٹی کے منہ سے اتنی بے باکی اور منہ پھٹ انداز میں اس کے عشق کی داستان نہیں سن سکتی تھیں مگر اس سے پہلے جب جب امی نے مجھے نظر انداز کیا تھا، میرا دل دکھایا تھا، بجو کو میرے اوپر ترجیح دی تھی اس وقت میرا کیا قصور ہوتا تھا۔ میں کچھ بھی کرلوں۔ امی کو کبھی اچھی نہیں لگ سکتی۔ اس

لیے کہ میرے اور امی کے بیچ نورالصباح توقیر حائل ہے۔

پتا نہیں بجو نے کیا کیا تھا' ممانی جان اور سالک کو اس بات کے لیے کس طرح آمادہ کیا تھا مگر بہرحال پندرہ دن بعد ممانی جان 'سالک کا رشتہ میرے لیے لے آئی تھیں۔

"نورا میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم نے اس بے غیرت کے لیے اپنے اور میرے ارمانوں کا خون کر دیا۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

ان کے جانے کے بعد امی نے روتے ہوئے بجو سے کہا تھا۔ فہمی کو پتا چلا تو اس نے فوراً" کراچی فون کھڑکایا تھا۔

"سالک بھائی کا پروپوزل تو بجو کے لیے آیا تھا۔ پھر یہ اچانک۔" وہ سخت متعجب تھی۔

"اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے۔" میں سکون سے بولی تھی۔

"سالک بھائی کیسے راضی ہو گئے وہ تو شاید بجو کو۔" وہ کہتے کہتے جھجک کر چپ ہو گئی تھی۔

"اگر بجو کو پسند کرتے تو کبھی اس بات کے لیے تیار نہ ہوتے۔ تم بس کراچی آنے کی تیاری کرو۔" میں نے پرسکون انداز میں کہا تھا۔

میں اٹھتے بیٹھتے بجو کا ہر انداز بغور دیکھا کرتی تھی مگر وہ بہت مطمئن نظر آ رہی تھیں۔ کئی مرتبہ رات کے وقت ان کے کمرے میں گئی کہ شاید وہ مجھے روتی ہوئی نظر آ جائیں مگر وہ آرام سے سوتی ہوئی نظر آتیں۔ میرا سالک سے شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا' ابھی تو میری تعلیم نامکمل تھی۔ شادی کے جھنجھٹ میں پڑنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ بھی ہماری طرح عام سی انسان ہیں۔ کوئی سپر ہیومن نہیں۔ مگر وہ میرے ہر خیال کو غلط ثابت کر کے مجھے عجیب سی کوفت میں مبتلا کر گئی تھیں۔ اب اپنی کہی بات سے پیچھے ہٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے لگتا تھا' وہ ایسا ہونے نہیں دیں گی۔ وہ ٹوٹ جائیں گی' مان لیں گی کہ وہ ایک عام سی لڑکی ہیں۔ وہ میرے سامنے آ کر روتے ہوئے کہیں گی۔

"نورا میں تمہاری یہ خواہش پوری نہیں کر سکتی کیونکہ سالک سے میں خود محبت کرتی ہوں۔ تم تو اتنی خوبصورت ہو' تمہیں تو ایک سے بڑھ کر ایک شاندار بندہ مل سکتا ہے مگر میری زندگی میں واحد خوشی یہی شخص ہے۔ کیونکہ اس سے میں شدید محبت کرتی ہوں اور اس کے بغیر شاید میں جی نہیں پاؤں گی۔"

اور جس وقت وہ آ کر یہ سب کچھ مجھ سے کہیں گی تو مجھے ایسا لگے گا کہ نورالصباح توقیر مجھ سے بلند اور کوئی اعلا ہستی نہیں ہے۔ یہ بھی میرے جیسی ایک بے حد معمولی لڑکی ہے۔ مگر میری یہ خواہش پوری نہیں ہوئی تھی۔ میں نے بجو کی آنکھ میں ایک آنسو تک نہیں دیکھا تھا۔ سالک نے ہمارے گھر آنا جانا بالکل ختم کر دیا تھا۔ امی کی خاموشی ہنوز برقرار تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥
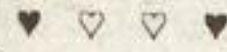
ممانی جان کو اقرار میں جواب دے دیا گیا تھا۔ میرے علاوہ واحد ہستی وہی تھیں جو اس رشتے پر خوش نظر آ رہی تھیں۔ بجو شاید انہیں اس حد تک ناپسند تھیں کہ ان کے متبادل کے طور پر وہ ان کی سگی بہن کو بھی قبول کرنے کے لیے تیار تھیں۔

"کوئی بھی ہو بس نورالصباح نہ ہو۔" ان کی آنکھوں میں لکھی یہ تحریر میں نے بہت آرام سے پڑھ لی تھی اور ہمیشہ بری لگنے والی ممانی جان مجھے اچھی لگنے لگی تھیں۔

ان ہی دنوں بجو کے لیے مصطفیٰ علی کا رشتہ آیا۔ وہ بجو کی فرم میں مارکیٹنگ منیجر تھے۔ بجو کے چہرے پر اس رشتے کا سن کر حیرت نظر آئی تھی۔ غالباً" ان صاحب سے بجو کی ایسی کوئی خاص بات چیت نہیں ہو گی' کسی افیئر کا تو سوال ہی کیا ہے۔ ان کی بہن رشتہ لے کر آئی تھیں۔ امی جو مجھ سے اور بجو دونوں ہی سے ناراض تھیں۔ بجو سے اس رشتے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس رشتے کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ جو کچھ میں نے سوچا نہیں تھا۔ وہ سب ہو رہا تھا۔

میری اور بجو کی شادی کی تیاریاں ساتھ ساتھ ہو رہی تھیں۔ بجو کا ارادہ شادی کے بعد بھی جاب جاری رکھنے کا تھا۔ مگر امی نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ شادی کے بعد بیٹی سے کچھ لینا گوارا نہیں کریں گی۔ امی کا ارادہ تھا کہ ہم دونوں کی شادی کے بعد وہ آدھا گھر کرائے پر دے دیں گی۔ امی اور طہٰ کے لیے تو آدھا گھر ہی بہت تھا۔ بینک میں اتنا پیسہ تھا کہ فی الحال طہٰ کے تعلیمی اخراجات کی طرف سے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور ایک آدھ سال میں تو ویسے بھی اس قابل ہو جاتا کہ کم از کم اپنا خرچا تو خود نکال سکے۔

ہم دونوں کی رخصتی کی ایک ہی تاریخ مقرر کی گئی تھی۔ میں اپنی کوئی بھی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بس مجھے یہ پتا تھا کہ میں خوش نہیں ہوں اور اگر میں خوش نہیں ہوں تو اس قصے میں خوش کون ہے۔ میں نے خود سے پوچھا تھا۔ کیا بجو؟ یا سالک؟ یا پھر امی۔ جب کوئی بھی خوش نہیں تو پھر یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں چیخ چیخ کر روؤں۔

بجو کا اطمینان قابل رشک تھا۔ وہ اپنی اور میری شادی کی تیاری اتنے سکون سے کر رہی تھیں کہ مجھ پر ایک بے نام سی کوفت سوار ہو جاتی تھی۔

عروبہ آپی اس روز کے بعد سے ہمارے ہاں نہیں آئی تھیں مگر شادی کا سن کر تو ان کو اپنی ناراضی بالائے طاق رکھ کر آنا ہی پڑا تھا۔ انہوں نے ان تمام باتوں پر فہمی کی طرح کوئی کمنٹس نہیں دیے تھے' بس خاموشی سے امی اور بجو کے ساتھ مل کر شادی کی تیاریاں کروانے لگی تھیں۔ ہماری شادی کا ہر فنکشن ساتھ ساتھ ہوا تھا۔ خاندان کے وہ تمام لوگ جنہوں نے فہمی کی شادی کے بعد میرے لیے پروپوزلز بھیجے تھے' حاسد نظروں سے ممانی جان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اترا تے حسرت بھرے تاثرات سے میری طرف دیکھتا ہوا گزر رہا تھا کہ میری گردن فخر سے اونچی ہو گئی تھی۔

"کوئی بات ہے مجھ میں ایسی' جو ساری دنیا میرے پیچھے پڑی ہے۔ مجھ جیسی حسین لڑکی کے لیے بندہ بھی کوئی بے حد شاندار اور منفرد قسم کا ہونا چاہیے تھا اور میرے شریک حیات میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں وہ سب سالک میں موجود ہیں۔" آہستہ آہستہ میرے بے چین دل کو قرار آ رہا تھا۔

"میرے حسن میں اتنی طاقت ہے کہ وہ بجو کو کچھ ہی عرصے میں بھول جائیں گے اور چند سال بعد تو وہ شاید اس محبت کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی حماقت قرار دیں۔ بھلا سالک جیسے ہینڈسم بندے کے ساتھ بجو سوٹ کرتیں۔ انہیں تو وہی عام سی پرسنیلٹی والے مصطفیٰ علی سوٹ کرتے تھے۔ جو مکمل طور پر ایک سیلف میڈ انسان تھے' والدین کی وفات کے بعد انہوں نے اپنی تین بہنوں کی شادیاں کی تھیں اور پتا نہیں انہیں اپنے آفس میں کام کرنے والی نورالصباح توقیر میں ایسی کیا خوبی نظر آئی تھی بجائے ان سے کچھ کہنے سننے کے ڈائریکٹ رشتہ ہی بھیج دیا تھا۔ نہ ان کا گھر اشعر بھائی کے گھر کی طرح عالیشان تھا اور نہ ہی ماموں کے گھر کی طرح کراچی کے پوش علاقے میں تھا۔ مگر ان کی اعلا تعلیم اور ملٹی نیشنل کمپنی میں شاندار جاب دیکھ کر اشعر بھائی' سعد اور طہٰ وغیرہ بھی اس رشتے سے مطمئن تھے۔

بجو نے امی سے معافی مانگنے اور انہیں منانے کی بہت کوشش کی تھی مگر امی سوائے خاموش رہنے کے ان کی بات کے جواب میں اور کوئی ردعمل ظاہر نہیں کرتی تھیں۔ وہ بالکل چپ ہو گئی تھیں' اتنی چپ جتنی وہ ابا میاں کی وفات کے وقت ہو گئی تھیں۔ عروبہ آپی اور فہمی کے بہت سمجھانے پر وہ بس یہی بولی تھیں۔

"میری اولاد بہت خود مختار ہو گئی ہے اپنی زندگی کے تمام فیصلے خود کرنے کے قابل ہو گئی ہے۔ میری تو اب کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ پتا نہیں اللہ مجھے اپنے پاس بلا کیوں نہیں لیتا۔"

کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کے یہ جملے میری سماعتوں سے ٹکرائے تھے۔

"میری شادی ان کی لاڈلی نورالصباح سے زیادہ اچھی جگہ ہو رہی ہے' بس یہی بات انہیں کھٹک رہی ہے۔" میں تنگ دلی سے سوچا کرتی۔

شادی سے ایک رات پہلے ہم چاروں بہنیں بجو کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ امبر تھوڑی دیر پہلے ہی میرے اور بجو کے ہاتھوں پر مہندی لگا کر گئی تھی۔

"عروبہ! پتا نہیں پھر کبھی وقت مہلت دے کہ نہ دے۔ پتا نہیں پھر کبھی ہم بہنیں اس طرح فرصت سے بیٹھیں گی کہ نہیں۔ تم پلیز اپنے دل سے ہر بدگمانی دور کر لو۔"

میں نے غور سے بجو کی طرف دیکھا' ان کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں ایسا لگ رہا تھا' وہ خود کو رونے سے بمشکل روک رہی ہیں۔

"بجو! میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ آپ مطمئن رہیں۔"

وہ چہرہ جھکائے آہستہ آواز میں بولی تھیں۔ مگر ان کا لہجہ ابھی بھی ان کی ناراضی کی چغلی کھا رہا تھا۔ بجو ان کا انداز دیکھ کر چپ ہو گئی تھیں۔ فہمی کے اچانک رونے پر ہم سب ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"کیا ہوا فہمی؟" بجو اسے چپ کرانے کے جتن کر رہی

تھیں۔

"بجو! آپ اس شادی سے خوش ہیں نا؟" وہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ "پتا نہیں کیوں مجھے وہم ہو رہا ہے کہ آپ خوش نہیں۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"پاگل ہو فہمی! بھلا میں خوش کیوں نہیں ہوں گی۔ مصطفیٰ میرے دیکھے بھالے ہیں۔ بہت مہذب اور اعلا تعلیم یافتہ۔ میری خواہش تھی کہ میری شادی کسی پڑھے لکھے اور ذہین آدمی سے ہو اور اللہ تعالیٰ نے میری خواہش پوری کردی۔ اس کے علاوہ انسان بھی وہ بہت اچھے ہیں۔ ان میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو میں اپنے شوہر میں چاہتی تھی۔" وہ اسے گلے سے لگاتے ہوئے پیار سے کہہ رہی تھیں۔

"بجو! دیکھ لیجئے گا۔ وہ آپ سے بہت پیار کریں گے۔ آپ ہیں ہی اتنی اچھی کہ آپ سے صرف اور صرف محبت کی جاسکتی ہے۔ بجو! آپ شادی کے بعد بہت خوش رہیں گی، مجھے اس بات کا یقین ہے۔" وہ روتے ہوئے بجو کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اچھا بڑی بی! آپ دعا دے رہی ہیں تو پھر تو میں یقیناً بہت خوش رہوں گی۔" وہ فہمی کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے ہنس پڑی تھیں۔

"فہمی! تم نے ایک بار بھی میری خوشیوں کے لیے دعا نہیں کی۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں نے تمہاری بہن کے حق پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ مگر ایسا کرنے کے لیے میں نے انہیں مجبور تو نہیں کیا تھا۔ وہ مجھے صاف انکار بھی کرسکتی تھیں۔ مگر اپنی اس فطری جبلت کا کیا کرتیں کہ مجھے سب کے سامنے بہت اچھا بننا ہے۔ فہمی تمہاری نظروں میں، میں بہت بری ہوں۔ یاد ہے کبھی ہم دونوں ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے اور آج میں تمہارے لیے بالکل غیر ہو گئی ہوں۔ اتنی اجنبی کہ تم رسمی طور پر بھی میرے لیے دعا نہیں کرنا چاہتیں۔"

میں ایک ٹک فہمی کی طرف دیکھے جا رہی تھی جو پتا نہیں بجو کو کیا کہتی ان سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار کر رہی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

دلہن بن کر مجھے تو اچھا لگنا ہی تھا۔ میری خوبصورتی کو ممانی جان کے لائے ہوئے بھاری عروسی جوڑے اور قیمتی زیورات نے چار چاند لگا دیے تھے۔ مگر بجو دلہن بن کر اتنی پیاری لگی تھیں کہ ان پر سے نگاہیں ہٹانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ بجو کا عروسی جوڑا کسی بھی طرح میرے جوڑے سے کم نہ تھا اور بری میں آنے والے زیورات تو میرے زیورات سے بھی زیادہ وزنی اور قیمتی تھے۔ مصطفیٰ بھائی کی بہنوں نے اکلوتے بھائی کی شادی پر دل کھول کر ارمان نکالے تھے۔ ہمیشہ سادہ رہنے والی بجو اتنی آرائش وزیبائش کے بعد کسی حور سے کم نظر نہیں آرہی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ جب اسٹیج پر ہم دونوں دلہنیں ساتھ ساتھ بیٹھے ہوں گے تو بجو کو تو شاید کوئی نظر بھر کر دیکھے بھی نہ۔ میرے ہوتے ہوئے کیا بجو پر کسی کی نظر جاسکتی تھی۔ مگر جو میں نے سوچا تھا وہ ہوا نہیں تھا۔

سالک کو میرے برابر لا کر بٹھایا گیا تو میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے۔ اس رشتے پر ان کا کیا ردعمل ہے۔ وہ اس سب کے لیے کس طرح راضی ہوئے۔ وہ اس رشتے میں مجھے قبول کرلیں گے۔ یہ تمام باتیں اب تک میں نے سوچی ہی نہیں تھیں۔ میری سوچ تو بس امی اور بجو کے ردِعمل تک ہی محدود تھی۔ مگر وہ شخص جس کے ساتھ اب مجھے اپنی ساری عمر گزارنی تھی اس کا اس حوالے سے کیا خیال ہے یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ کہیں بجو کو ہرانے کی دھن میں میں اپنی زندگی کی سب سے اہم بازی تو نہیں ہار گئی۔ اگر انہوں نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو کیا ہوگا۔ کیا میں وہ ذلت برداشت کر پاؤں گی۔ مجھے فہمی اور طہٰ کو تو انہوں نے ہمیشہ بچوں کی طرح ٹریٹ کیا تھا۔ حالانکہ وہ بجو سے صرف دو سال بڑے تھے اور اس حساب سے مجھ سے دس سال بڑے اور دس سال کا فرق کوئی اتنا بڑا فرق بھی نہیں ہے۔

میرا دل آنے والے وقت کا سوچ کر کانپنے لگا تھا۔ وہ بھی بجو ہی کی طرح پُرسکون بیٹھے تھے۔ گروپس بن رہے تھے تصویریں کھینچی جارہی تھیں اور میں اس سب سے بے نیاز اپنی آنے والی زندگی کا سوچ رہی تھی۔

امی نے رخصتی کے وقت رسمی طور پر بھی میرے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا تھا۔ بجو کو گلے سے لگا کر البتہ وہ بہت بری طرح پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں۔ خود بجو بھی امی کے گلے لگی زاروقطار رو رہی تھیں۔

ممانی جان جو اپنے سسرال میں بیٹے کا رشتہ ہوجانے پر

زیادہ خوش نہیں تھیں، لوگوں کے میرے بارے میں کیے جانے والے تعریفی تبصروں پر وقتی طور پر خوش ہوگئی تھیں۔ انہیں نمود و نمائش پسند تھی۔ لوگوں کے منہ سے اپنی تعریفیں سننا انہیں بے حد پسند تھا اور میری صورت میں ان کی یہ خواہش پوری ہو رہی تھی۔

"اف اتنی حسین بہو کہاں سے ڈھونڈی آپ نے۔ یہ تو ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی پری راستہ بھٹک کر ہم انسانوں کی دنیا میں آگئی ہے۔"

ہر دیکھنے والا میرے بارے میں اسی قسم کی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔ ممانی جان کے تمام تر رشتہ داروں اور تمام رسومات سے فارغ ہو کر جب میں کمرے میں تنہا رہ گئی تو ایک مرتبہ پھر آنے والے وقت کا سوچ کر میرا دل بے چین ہونے لگا۔ دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ میں بوکھلا گئی تھی۔ اسی وقت میرا ذہن بجو کی طرف گیا تھا۔ وہ بھی تو اس وقت اپنی زندگی کے سب سے مشکل وقت سے گزر رہی ہوں گی۔ کیا انہوں نے کبھی تصور کیا ہوگا کہ سالک کے علاوہ کوئی اور بھی ہوسکتا ہے جس کی سیج وہ سجائیں گی۔ ان کی زندگی کا اولین خواب سالک نعمان ان کا نہیں ہوسکا تھا۔ محبت کا شہر اجڑ جانے پر بے چین اور مضطرب تو وہ بھی ہوں گی۔

♥ ♡ ♡ ♥
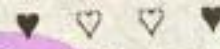
سالک کا رویہ میری تمام تر امیدوں کے برخلاف تھا۔ میں پتا نہیں کیا کیا سوچے بیٹھی تھی اور انہوں نے آ کر میرے تمام تر خدشات کو بے بنیاد ثابت کردیا تھا۔ میری انگلی میں ہیرے کی قیمتی انگوٹھی پہناتے ہوئے انہوں نے میری خوبصورتی کی تعریفیں کی تھیں، مجھے سراہا تھا۔ کیا وہ ایکٹنگ کر رہے تھے مگر انہیں ایکٹنگ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر میں انہیں ناپسند تھی اور وہ محض بجو کی وجہ سے مجھے قبول کر گئے تھے تو اب تو وہ اپنی ناپسندیدگی بڑے آرام سے ظاہر کرسکتے تھے۔ اپنی عزت نفس مجھے اتنی عزیز تو ضرور تھی کہ اگر وہ ایسا کرتے میں تب بھی اس بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاتی۔ یہ تو مجھے پتا تھا کہ عورت اور مرد کی محبت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ عورت محبت کو اپنی زندگی کا روگ بنا لیتی ہے اور مرد کے لیے ایسی کیفیات وقتی ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی کچھ وقت تو لگتا ہے سب کچھ بھلانے میں۔ میں حیران ہو رہی تھی۔ انہوں نے کسی گزری بات کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ مجھ سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ مجھے اچانک ان سے اتنی شدید قسم کی محبت کس طرح ہو گئی۔ سب کچھ جیسے معمول کے مطابق ہو رہا تھا۔

مجھے ان سے بات چیت کرنے میں جھجک محسوس ہوتی تھی ہمیشہ ہی ان کا ہم لوگوں پر بڑے بھائیوں والا رعب رہا تھا۔ رشتہ بدلنے پر ایک عجیب سی جھجک اور شرم محسوس ہونے لگی تھی مجھے ان سے۔ مگر ان کا اسٹائل میرے ساتھ بہت دوستانہ تھا۔ میں کھانا پکانے کے معاملے میں ایک دم اناڑی تھی۔ وہ میرے ہاتھوں کی پکی مختلف ملکوں کے نقشوں والی روٹیوں پر ہنستے تھے۔ انہیں ہاف فرائی انڈا پسند تھا اور مجھ سے وہ کبھی ثابت سالم نہیں تلا جاتا تھا۔ ہر بار زردی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی تھی اور وہ میرے پھوہڑپن پر ہنستے ہوئے مختلف جملے پاس کرتے اور ساتھ ساتھ کھاتے بھی جاتے۔ گھر میں نوکر وغیرہ موجود تھے۔ خانساماں بھی موجود تھا مگر اکلوتے بیٹے کے کھانے پینے کا خیال ممانی جان خود رکھا کرتی تھیں اور اب مجھ سے بھی یہی چاہتی تھیں کہ میں ان کو آفس جاتے وقت خود ناشتہ بنا کر دوں۔ شام میں ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے چائے اور ہلکے پھلکے اسنیکس تیار کرکے رکھوں۔

گھر میں بڑی بہنوں کے ہوتے مجھے گھرداری وغیرہ میں زیادہ انوالو ہونے کی کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی اور سچی بات تو یہ تھی کہ مجھے کچن کے نام سے ہی وحشت ہوتی تھی۔ مگر اب پتا نہیں کیوں میرا دل چاہنے لگا تھا کہ میں ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے مزے مزے کے کھانے پکاؤں۔ جو کچھ انہیں پسند ہے، میں وہ سب کچھ پکانا سیکھ لوں۔ اکثر اس کوشش میں کبھی اپنے ہاتھ جلا لیتی، کبھی کچھ اور نقصان کر بیٹھتی۔ وہ بعد میں میرا جلا ہوا ہاتھ دیکھ کر ڈانٹتے تھے۔

"کیا ضرورت تھی ان الٹے سیدھے کاموں میں گھسنے کی۔ اگر رات کے کھانے میں نہاری کھانے کو نہ ملتی تو میں مر تو نہ جاتا۔"

اور ان کا تشویش بھرا یہ انداز مجھے دنوں سرشار رکھتا۔ میرا دل چاہتا تھا میں سو فیصد ان کی پسند کے سانچے میں ڈھل جاؤں۔ مجھے لگتا تھا، میں ان سے محبت نہیں عشق کرنے لگی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے دوبارہ یونیورسٹی جوائن کرنے کے لیے کہا تو میں بنا کوئی اعتراض کیے یونیورسٹی جانا

شروع ہو گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ کم از کم میں اپنا آنرز تو مکمل کرا لوں۔ ممانی جان کو اس بات پر بہت اعتراض تھا مگر سالک نے انہیں قائل کر لیا تھا۔

میں امی کے ہاں بہت کم جاتی تھی۔ سالک ہی پندرہ بیس روز میں خیال آنے پر مجھے وہاں لے جاتے تھے اور اگر کبھی انہیں خیال نہیں رہتا تو میں یاد بھی نہیں دلاتی تھی۔ کیا فائدہ وہاں جانے کا۔ جب امی مجھ سے ملنا نہیں چاہتیں۔ ساسوں کو سب سے زیادہ اعتراض بہوؤں کے میکے جانے پر ہوتا ہے اور میری ساس بے چاری تو اکثر مجھے یاد دلایا کرتی تھیں۔

"ایک مہینہ ہو گیا۔ تم اپنی امی کے ہاں نہیں گئیں۔ پتا نہیں کہیں مہر یہ نہ سمجھ رہی ہو کہ میں نے کوئی پابندی لگا رکھی ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر کہتی تھیں۔

زیادہ تر سالک یا ممانی جان کی وجہ ہی سے میں وہاں جاتی تھی۔ امی سالک سے والہانہ انداز میں ملتیں۔ خوب ان کی آؤ بھگت کرتیں اور مجھ سے سرسری سا حال احوال دریافت کرنے کے علاوہ انہوں نے میری سسرال اور شادی شدہ زندگی کے بارے میں کبھی کچھ نہ پوچھا تھا۔

طٰہٰ البتہ مجھ سے پیار سے ملتا تھا۔ اسے اس بات کا احساس تھا کہ وہ چار بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے۔ اسے بہنوں کا مان بننا ہے۔ میرے اور سالک کے آنے پر وہ اپنی ہر مصروفیت پس پشت ڈال کر ہم لوگوں کو کمپنی دینے بیٹھ جایا کرتا تھا۔

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ ہم لوگ جاتے تو بجو اور مصطفیٰ بھائی بھی آئے بیٹھے ہوتے۔ بجو شادی کے بعد بھی ہفتے میں کم از کم دو تین مرتبہ امی سے ملنے ضرور آیا کرتی تھیں۔ ان پر سسرال کی تو کوئی ذمہ داری تھی نہیں۔ جاب انہوں نے شادی کے فوراً" بعد ہی چھوڑ دی تھی۔ اکثر مصطفیٰ بھائی انہیں آفس جاتے ہوئے امی کے گھر ڈراپ کر جاتے تھے۔ اتنے سالوں تک گھر اور خاص طور پر کچن بجو، عروبہ آپی اور فہمی کے کنٹرول میں رہا تھا کہ اب امی کو کام کرنے کی عادت ہی ختم ہو گئی تھی۔ مزید ان کی گرتی ہوئی صحت انہیں زیادہ دیر تک کوئی کام کرنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ بجو آ کر تین چار سالن پکا کر فریزر میں رکھ دیتیں۔ امی کو جو ماسیوں کے ہاتھ کی بنی کی صفائی پسند نہ تھی ان کی مرضی کے مطابق سارے گھر کی ڈسٹنگ کر دیتیں، کچن صاف ستھرا اور چمک دار بنا دیتیں۔

شام میں مصطفیٰ بھائی انہیں لینے آتے تو امی انہیں بھی اصرار کر کے کھانے پر روک لیتیں۔

میں ہمیشہ بجو کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتی۔ کوئی دکھ، کوئی حسرت، نظر آئے۔ مگر ان کا چہرہ ویسا ہی پُرسکون اور مطمئن نظر آتا۔

وہ مجھے دیکھ کر بے اختیار اٹھ کر گلے سے لگاتیں، سالک سے خوش دلی سے حال احوال دریافت کرتیں، ایسے جیسے یہ سب یونہی تو ہونا تھا۔ سالک کی طرف دیکھتی تو وہ بھی ہنستے مسکراتے بجو، مصطفیٰ بھائی، امی اور طٰہٰ سے باتیں کرتے نظر آتے۔ کبھی کبھی اس محفل میں مزید رونق عروبہ آپی اور اشعر بھائی کی آمد کی وجہ سے ہو جاتی۔

سب کچھ کتنا نارمل سا لگتا تھا۔ امی کی بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ سب کی شادیاں اچھی جگہوں پر ہو گئیں۔ ان کے سب داماد اچھے ہیں۔ ان کا خیال رکھتے ہیں، ان کی عزت کرتے ہیں۔ مگر مجھے یہ سب کچھ نارمل کیوں نہیں لگتا تھا۔ میرا اس ماحول میں دم گھٹنے لگتا تھا۔ جب بھی کبھی امی کے گھر جانے پر بجو اور مصطفیٰ بھائی سے ملاقات ہوتی تو میں دنوں مضطرب رہتی تھی۔ ہر شے سے دل اچاٹ ہونے لگتا تھا۔ پتا نہیں یہ کیسا احساس جاگتا تھا جو مجھے اتنا پژمردہ اور مضمحل کر دیا کرتا تھا کہ گھر آ کر سب سے چھپ کر اکیلے میں بہت دیر تک روتی رہتی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

شادی کے بعد امی پہلی بار میرے گھر عید سے چند روز پہلے آئی تھیں۔ ورنہ کبھی کبھار میری خیریت پوچھنے طٰہٰ ہی آ جایا کرتا تھا یا پھر کبھی بجو یا عروبہ آپی۔ اس روز امی کو دیکھ کر میں کس قدر خوش ہوئی تھی۔ حالانکہ مجھے پتا تھا وہ میری محبت میں نہیں آئیں۔ وہ صرف اور صرف دنیا دکھاوے کو ایک رسم پوری کرنے آئی ہیں۔ جب بجو اور عروبہ آپی کے گھر وہ خود عیدی لے کر گئی تھیں تو پھر مجھے سسرالیوں کے طعنوں سے بچانے کی خاطر انہیں میری عیدی بھی خود ہی لانی تھی۔

امی رسم نبھانے کے لیے آئی تھیں مگر میں پھر بھی بے حد خوش تھی۔

میں اب سالک سے بے جھجک ہر بات کر لیا کرتی تھی، میں نے کئی بار ان سے پوچھنے کی کوشش کی تھی کہ انہوں نے پروپوزل تو بجو کے لیے بھجوایا تھا پھر شادی مجھ سے کیوں کی۔ وہ ہر بار میری بات ہنسی میں اڑا دیا کرتے تھے۔ مگر یہ بات مجھے بے چین رکھتی تھی۔ اس شخص سے اب میں اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر پیار کرنے لگی تھی اور میرے دل کو صرف اور صرف یہی یقین چاہیے تھا کہ وہ بھی مجھے اتنی ہی شدتوں سے چاہتے ہیں ایک بار جب میرے اصرار کے جواب میں انہوں نے بات ٹالنی چاہی تو میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ وہ میرے رونے پر پریشان ہو گئے تھے۔

"کیا ہوا۔ رو کیوں رہی ہو۔؟"

"آپ کو میں اچھی نہیں لگتی۔ آپ نے زبردستی مجھ سے شادی کی ہے۔ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔" میں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتے ہوئے بولی تھی اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

"تو بات یہ ہے کہ اس وقت لاڈلی بیگم میرے منہ سے کوئی لمبا چوڑا اور شاعرانہ قسم کا اظہار عشق سننا چاہتی ہیں۔ کاش میں کوئی شاعر ہوتا یا پھر میری یادداشت ہی اتنی اچھی ہوتی کہ موقع محل کے حساب سے شعر یاد رہ جاتا تو اس وقت تمہاری خواہش ضرور پوری کر دیتا۔" ان کے چہرے پر شریر سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"میں آپ کی ان باتوں میں نہیں آؤں گی۔ ہمیشہ آپ بات بدل دیتے ہیں۔ آپ صاف صاف بتائیں۔ آپ کو مجھ سے محبت ہے یا نہیں۔" میں بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"اور میری بات کا جواب بالکل سچ سچ دیجیے گا۔" میں نے ان کی شریر مسکراہٹ نظر انداز کرتے ہوئے مزید کہا تھا۔

"میں جو کچھ کہوں گا، سچ کہوں گا اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔" وہ پھر مذاق کے موڈ میں تھے۔

"سمجھ گئی ہیں۔ آپ کو مجھ سے محبت نہیں۔ آپ کو تو بجو اچھی لگتی تھیں اور آپ صرف ان ہی کے کہنے پر مجھ سے شادی کے لیے راضی ہو گئے تھے۔" میں نے پچھلی مرتبہ بجو کے حوالے سے ان سے کچھ کہا تھا۔

میری بات پر ان کا چہرہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ شوخی اور شرارت یکسر غائب ہو گئی تھی۔ میں خاموشی سے بیٹھی ان کا چہرہ تک رہی تھی۔

وہ اچانک ہی بیڈ پر سے اٹھے اور تیز تیز چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ میں بے اختیار اٹھ کر ان کے پیچھے گئی تھی۔ وہ میری پکار کو نظر انداز کرتے ہوئے گاڑی تیزی سے ریورس کرتے پتا نہیں کہاں چلے گئے تھے۔

میرے دل میں سینکڑوں خدشات جنم لے رہے تھے۔ دو گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی تھی۔ چہرہ ہنوز سنجیدہ اور بے تاثر سا تھا۔ مجھے نظر انداز کرتے وہ اندر چلے گئے تھے۔ میں کمرے میں آئی تو وہ کپڑے تبدیل کیے بغیر ہی سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ ہماری شادی شدہ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب وہ مجھ سے اس طرح ناراض ہو گئے تھے۔

میں نے انہیں منانے کی بہت کوشش کی۔ معافی مانگی مگر وہ میری کسی بات کا جواب نہیں دے رہے تھے۔ میں ان کے برابر بیڈ پر لیٹی سسک رہی تھی۔ یہ کیسی بے کلی تھی۔ میرے دل کو کسی طور قرار نہیں آ رہا تھا۔ میرے اس طرح رونے پر وہ اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔

"بیکار میں کیوں روئے چلی جا رہی ہو۔؟" وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں بولے تھے۔

"میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اتنی زیادہ کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بس مجھے یہ وہم رہتا ہے کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں۔"

میں خود بھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ میں کسی شخص سے اس طرح محبت کر سکتی ہوں کہ اس کی خاطر اپنی انا کو بھی پس پشت ڈال دوں۔ کتنے لوگ میرے پیچھے پڑے رہتے تھے اور میں کسی کو نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں کرتی تھی اور آج یہ شخص اپنی محبت میں مجھے اس حد تک لے گیا تھا کہ میں اپنی بے بسی کا خود ہی اعلان کر رہی تھی۔

"کیا محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں صبح شام ڈھول پیٹ پیٹ کر اپنی محبت کا اظہار کروں۔ کیا آدمی کا رویہ اس کے جذبات کا اظہار نہیں کر دیتا۔ کیا میں تمہارا خیال نہیں رکھتا اور جب ایسی کوئی بات نہیں تو پھر تمہارے تمام خدشات بے بنیاد ہیں۔ تم میری زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہو۔ میرے گھر میں میری بیوی کی حیثیت سے موجود ہو۔ میرے بچے کی ماں بننے والی ہو اور کس قسم کی تسلی اور اظہار تمہیں چاہیے۔" وہ بے حد سنجیدہ تھے۔ تکیہ سیدھا کر کے دوبارہ لیٹتے ہوئے انہوں نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور پھر اسی سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"نینا! تم نے آج مجھے بہت دکھ دیا۔ میرا ماضی کیا تھا اور اس میں میں کیا کرتا تھا میں اس کے لیے تمہیں جواب دہ نہیں۔ نہ میں تم سے تمہارے ماضی کی کوئی بات پوچھتا ہوں اور نہ ہی تمہیں ایسا کوئی حق دیتا ہوں۔ میرا نہیں تو تمہیں کم از کم اپنی بڑی بہن کا تو احترام کرنا چاہیے تھا۔ نینا! ہر رشتے کی بنیاد عزت پر رکھی جاتی ہے۔ آج کے بعد میں اس قسم کی کوئی بھی بات تمہارے منہ سے نہیں سننا چاہتا۔"

ان کے دو ٹوک انداز نے مجھے مزید کچھ بھی نہیں کہنے دیا تھا۔ اس روز وہ جتنے سنجیدہ تھے۔ اگلے روز اتنے ہی غیر سنجیدہ۔ آفس سے انہوں نے چھ مرتبہ فون کرکے "میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں" کہہ کر ہر بار لائن ڈس کنیکٹ کر دی تھی اور اس کے بعد تو انہوں نے اس بات کو جیسے میری چھیڑ بنا لیا تھا۔ میری شکل دیکھتے ہی وہ یہ جملہ ضرور کہا کرتے تھے۔ بعض مرتبہ سوتے سے اٹھا کر کہتے اور پھر خود تو دوبارہ آرام سے سو جاتے اور میں دوبارہ نیند نہ آنے کی کوفت کا شکار ہو جاتی۔

پھر انہی دنوں بجو کے ہاں حبہ پیدا ہوئی تھی۔ اس دوران میری بجو سے ایک آدھ مرتبہ ہی ملاقات ہوئی تھی۔ ممانی جان نے میرے کہیں بھی آنے جانے پر پہرے بٹھائے ہوئے تھے۔ بڑی مشکلوں سے ان سے اجازت لے کر میں اور سالک بجو کو دیکھنے گئے تھے۔

بجو کے پاس سارا وقت امی رہی تھیں۔ بلکہ حبہ کے ہونے سے پندرہ بیس روز پہلے ہی سے انہوں نے بجو کو اپنے پاس بلا لیا تھا تاکہ ان کی صحیح سے دیکھ بھال کر سکیں۔ ان کی بیٹی کا نام بھی مصطفیٰ بھائی کے اصرار کرنے پر امی نے ہی رکھا تھا۔

حبہ بالکل بجو ہی کی طرح لگ رہی تھی۔ بجو کے چہرے پر ماں بن جانے کا فخر و غرور نظر آ رہا تھا۔ مصطفیٰ بھائی بھی بے حد خوش تھے۔ سالک نے حبہ کو گود میں اٹھا کر پیار کیا تو یہ انداز مجھے اندر ہی اندر سلگا گیا۔ میں نے فوراً "اسے ان کی گود سے لے کر کاٹ میں لٹا دیا تھا۔ حبہ کی پیدائش کے ٹھیک ایک ماہ بعد محتشم پیدا ہوا تھا۔ میں نے اس روز امی کو کتنی شدت سے یاد کیا تھا۔ درد و اذیت کے اس پل صراط سے گزرتے ہوئے مجھے اللہ کے بعد صرف اور صرف اپنی ماں یاد آ رہی تھی۔ امی آئیں تو محتشم کو پیار کرکے انہوں نے میرا ماتھا چوما تھا۔

"خود ماں بنی ہو۔ اب ایک ماں کے جذبات اور اس کا کرب تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔ خدا کرے کہ تمہاری اولاد بہت نیک اور سعادت مند ہو۔" انہوں نے مجھے دعا بھی کس انداز میں دی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥
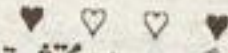
وقت تیزی سے گزر رہا تھا، محتشم تین سال کا ہو گیا تھا۔ میں اپنی زندگی میں مکمل طور پر مگن اور پرسکون تھی۔ پیار کرنے والا شوہر، آسائشوں بھری زندگی اور خدا کی سب سے بڑی نعمت میرا بیٹا محتشم۔ مجھے سب ہی کچھ تو میسر تھا۔ ممانی جان فطرت سے مجبور ہو کر کبھی کوئی دل دکھانے والی بات کرتیں یا فریال اور حمیرا میں سے کوئی روایتی نندپنا دکھاتی بھی تو میں برا نہیں مانتی تھی۔ وہ شخص مجھے اتنا عزیز تھا کہ اس کی خاطر میں کچھ بھی برداشت کر سکتی تھی۔

سالک کی پوسٹنگ فرینکفرٹ ہو گئی تھی۔ ممانی جان بھی ہمارے ساتھ ہی جا رہی تھیں۔ جانے سے پہلے ہم لوگ باقی سب لوگوں کے ساتھ ساتھ بجو سے ملنے بھی گئے تھے۔ میں بجو کے گھر شاذ و نادر ہی جایا کرتی تھی۔ ان کے گھر کا پرسکون ماحول اور خود ان کا خوشی سے جھلملاتا چہرہ پھر مجھے دنوں ڈسٹرب رکھتا تھا۔ بجو، ہم لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ ان کا گھر ان کی سلیقہ مندی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

ہم لوگ تھوڑی بہت دیر بیٹھنے کے ارادے سے گئے تھے مگر ان دونوں ہی نے بے حد اصرار ہمیں ڈنر پر روک لیا تھا۔ سالک حبہ کو گود میں بٹھائے اس سے فرمائش کر کرکے مختلف پوئمز سن رہے تھے اور وہ روانی سے ایک کے بعد ایک باقاعدہ ایکشن کے ساتھ سنا رہی تھی۔

"انکل! مجھے پانچوں کلمے بھی پکے یاد ہیں۔" اس نے مزید اپنی معلومات ظاہر کرکے ہم سب کو ہی ہنسا دیا تھا۔

"لیکن کلمے تو چھ ہیں۔" سالک سنجیدگی سے بولے تھے۔

"چھٹا ابھی می نے یاد نہیں کروایا۔" وہ معصومیت سے بولی تو ہم سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

"ابھی تو تم لوگوں کے جانے میں ایک ہفتہ ہے، میں ان شاء اللہ ملنے آؤں گی۔" چلتے وقت بجو نے مجھ سے کہا تھا۔

واپسی میں سالک مجھے کچھ چپ چپ سے لگے، میرے

پوچھنے پر وہ بات ہنسی میں اڑا گئے تھے۔

رات کے دو ڈھائی بج رہے ہوں گے جب سوتے سوتے ایک دم میری آنکھ کھل گئی تھی، ایک نظر محتشم پر ڈال کر میں نے اپنے برابر دیکھا تو سالک بستر پر موجود نہیں تھے۔ واش روم کی لائٹ بھی بند نظر آ رہی تھی۔ میں ایک دم بوکھلا کر اٹھ گئی تھی۔ سالک کہاں چلے گئے آخر؟۔ بالکونی پر بھی ایک نظر ڈالتی ہوئی میں کمرے سے باہر نکلی۔ لاؤنج، ڈرائنگ روم، لان۔ میں گھر کے مختلف حصوں میں انہیں ڈھونڈ رہی تھی۔ میں بری طرح پریشان ہو گئی تھی تب ہی مجھے ایسا لگا جیسے اسٹڈی میں ہلکی سی روشنی ہو رہی ہے۔ اندر سالک کو بیٹھے دیکھ کر میری جان میں جان آئی تھی۔ مگر وہ اس طرح لائٹس بند کرکے یہاں کیوں بیٹھے ہوئے تھے۔ صرف ٹیبل پر موجود لیمپ جل رہا تھا، باقی پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ پتا نہیں کس کام میں اتنا مگن تھے کہ انہیں میرے آنے کا بھی پتا نہیں چلا تھا۔ میں دروازے پر ہی کھڑی ہوئی انہیں دیکھ رہی تھی۔ رائٹنگ ٹیبل پر بہت سے کارڈز بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے اور وہ خود شاید کچھ لکھ رہے تھے۔ میں آگے بڑھتے بڑھتے رک گئی تھی اور پھر جس خاموشی سے آئی تھی اسی سے واپس پلٹ بھی گئی تھی۔

کمرے میں واپس آ کر لیٹتے ہوئے میرے دل کی عجیب کیفیت تھی، جو بات میرا دل مجھے سمجھا رہا تھا۔ میں اسے ماننے سے انکاری تھی۔ نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے، وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں، ہماری شادی کو چار سال ہو گئے ہیں اور چار سال میں کبھی ایک بار بھی مجھے ان کی محبت اور توجہ میں کمی محسوس نہیں ہوئی۔ یا اللہ یہ سب میرا وہم ہو۔ محض ایک وہم.... میں دعائیں مانگتے ہوئے پتا نہیں کب سو گئی تھی۔

صبح ان کے آفس جانے کے بعد میں نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ اسٹڈی میں آنا تھا۔ میں اسٹڈی میں کبھی کبھار صرف ملازمین کی صفائی ہی چیک کرنے آتی تھی اور سالک کی پرسنل فائلز اور درازوں میں، میں نے گھسنے کی کبھی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔

میں اپنی مطلوبہ اشیاء ڈھونڈ رہی تھی۔ میز کے دائیں طرف والی دراز کھولی تو اس میں ڈھیر سارے کارڈز دیکھتے کے ساتھ ہی میرا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ انہیں پتا تھا کہ میں ان کی چیزوں میں نہیں گھستی اسی لیے انہوں نے اسے لاک کرکے بھی نہیں رکھا ہوا تھا۔ کارڈز کے ساتھ ساتھ وہاں ایک ڈائری بھی رکھی ہوئی تھی۔

"تمہاری خاطر خود کو جو سزا دی، وہ آج تک کاٹ رہا ہوں۔ کبھی تم سے کوئی شکوہ، کوئی گلہ نہیں کیا۔ مگر آج تمہارے گھر سے آ کر بے اختیار میرا تم سے شکوہ کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ صباح! تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ کیا میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں کہ تم جو سب کو بس دیے چلی جاتی ہو، بنا کسی ستائش یا صلے کی خواہش کے، زندگی میں کچھ مانگنے کے لیے تم نے میرا انتخاب کیا۔ کیا یہ میری خوش بختی ہے کہ دوسروں کے لیے اپنی ہر خوشی قربان کر دینے والی لڑکی نے مجھ سے کچھ مانگا۔ مگر یہ "کچھ" میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی تھا۔ تم نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا اور میں شاید تمہیں دوسروں سے زیادہ عزیز تھا اسی لیے تم مجھ سے مانگنے آئیں۔ مگر یہ کیسا احساس برتری تم نے مجھے عطا کیا ہے کہ میں چین سے جی نہیں پاتا۔ کاش میں بھی تمہیں اور لوگوں جتنا ہی عام لگتا۔ اتنا ہی کم عزیز ہوتا پھر تم کبھی کچھ مانگنے نہ آتیں اور اس شخص مصطفیٰ علی سے آج میں نے کتنا حسد محسوس کیا۔ میں زندگی میں کبھی کسی سے جیلس نہیں ہوا، مگر اس ایک شخص کے سوا۔ اس کا گھر تمہارے وجود سے آباد ہے، وہاں تم ہنستی ہو، بولتی ہو، چلتی ہو۔ اس کے گھر کا ہر گوشہ تمہارے دم سے روشن ہے اور کیا وہ گھر میرے گھر سے زیادہ اچھا تھا۔ کیا اس شخص نے زندگی میں اتنی بے شمار نیکیاں کر رکھی تھیں کہ ان کے آگے خدا کو میری محبت بھی ہیچ نظر آئی۔ آج میرا دل بہت اداس ہے۔ صباح! تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ یہ کیسا احساس تنہائی ہے۔"

مجھے پتا نہیں چلا تھا مگر میری آنکھوں سے قطرہ قطرہ گرتے آنسو ڈائری بھگو رہے تھے۔ بہت سی چیخیں میرے لبوں پر آ کر دم توڑ چکی تھیں۔ میں دل پر ہاتھ رکھے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

"بھئی کہاں ہو نینا! مجھے تو تم نے بالکل ہی نکما بنا دیا ہے۔ گھڑی نہیں مل رہی، والٹ بھی پتا نہیں کہاں ہے اور بریف کیس بھی کہیں نظر نہیں آ رہا۔"

ابھی تھوڑی دیر پہلے جب وہ آفس کی تیاری کر رہے

تھے' انہوں نے مجھے آواز لگا کر کہا تھا۔ میں کچن سے بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی تھی۔ تمام چیزیں فوراً" ہی ان کے سامنے رکھتے ہوئے میں نے کچھ چڑ کر کہا تھا۔

"آپ کو سامنے رکھی چیز بھی نظر نہیں آتی۔" وہ میری بات پر شرارت سے ہنس پڑے تھے۔

"چیزیں تو سب نظر آگئی تھیں' بس میری پیاری بیگم نظر نہیں آرہی تھی۔"

وہ ٹائی باندھتے ہوئے آئینے میں نظر آتے میرے عکس کو بڑی شرارت سے دیکھ رہے تھے اور اس وقت میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میرے ساتھ زندگی سے بھرپور قہقہے لگاتا' شرارت سے میرے بالوں کی لٹ کھینچتا یہ شخص کل ساری رات اپنی گزشتہ محبت کا ماتم کرتا رہا ہے۔

کتنے آرام سے وہ مجھے دھوکا دینے میں کامیاب ہو گئے تھے اور میں ان کی توجہ اور التفات کو سچی محبت سمجھنے لگی تھی۔ اس دل میں تو میں تھی ہی نہیں' یہاں تو نور الصباح رہتی تھی۔ میں بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔ دل قطرہ قطرہ پگھلتا محسوس ہو رہا تھا۔

ڈائری کے اندر ہی بجو کی ایک تصویر بھی رکھی ہوئی تھی۔ ان کے کنووکیشن کی تصویر۔ رول کی ہوئی ڈگری ہاتھ میں لیے' ڈگری لیتے وقت کا مخصوص گاؤن پہنے وہ بے ساختہ انداز میں مسکرا رہی تھیں۔ میں اس تصویر کو کتنی دیر تک دیکھتی رہی تھی۔ تصویر کے پچھلی طرف ایک شعر لکھا ہوا تھا۔

آج تنہائی کسی ہمدم دیریں کی طرح
کرنے آئی ہے مری ساقی گری شام ڈھلے
منتظر بیٹھے ہیں ہم دونوں کہ مہتاب ابھرے
اور ترا عکس جھلکنے لگے ہر سائے تلے

زندگی یہ کتنا بدصورت مذاق کر رہی تھی میرے ساتھ۔ اس شخص کی محبت میں' میں اپنے آپ کو بھی بھول چکی تھی۔ میں نے خود کو مٹا ڈالا تھا' اپنی شخصیت ختم کر لی تھی۔ محتشم کے بعد بھی ان کے لیے میری دیوانگی میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ ان کی ہر بات ماننا میں نے خود پر واجب کر لیا تھا۔ میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ بالکل سچی اور بے ریا تھی میری محبت۔ میں اپنے دل کی تمام شدتوں اور سچائیوں کے ساتھ ان کی ہو گئی تھی اور وہ شخص آج بھی اپنے ماضی میں زندہ تھا۔ کتنا غلط اندازہ تھا میرا مردوں کی محبت کے بارے میں' یا شاید میرا مشاہدہ درست تھا' صرف میرے ہی نصیب میں ایک مختلف مرد لکھا ہوا تھا۔

ایسا کیا تھا اس عورت میں جو ساری دنیا اس کی عاشق تھی؟۔ وہ یہاں نہ ہوتے ہوئے بھی ہر جگہ موجود ہے۔ میرے گھر کے ہر کونے میں وہی ہے یہاں تک کہ میرے بیڈ روم میں بھی۔ میرے شوہر کے دل پر اسی کا تسلط ہے' وہ مجھ میں بھی شاید اسی کی پرچھائیں ڈھونڈتا ہے۔ میں تو یہاں پر کہیں بھی نہیں ہوں۔ اپنے گھر میں بھی وہ موجود ہے اور میرے گھر میں بھی۔ اس کا شوہر بھی دل و جان سے اس پر مرتا ہے اور میرا شوہر بھی۔ میں خود کہاں ہوں۔ ایک مرتبہ پھر میرے اور میری محبت کے بیچ نور الصباح حائل ہو گئی ہے۔

پہلے وہ میرے اور امی کے بیچ آگئی تھی' پھر جب تک اس نے امی کو مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور نہیں کر دیا اسے قرار نہیں آیا تھا اور آج ایک مرتبہ پھر وہ میرے اور میرے شوہر کے درمیان آکھڑی ہوئی ہے۔ میں نے زندگی میں دو ہی لوگوں کو اتنی شدت سے چاہا ہے اور میری دونوں محبتوں میں یہی عورت حائل ہوئی ہے۔ مگر اب کی بار میں تمہیں جیتنے نہیں دوں گی۔ میں تم سے تمہاری ہر خوشی چھین لوں گی' چاہے مجھے اس کی کوئی بھی قیمت کیوں نہ چکانی پڑے۔ میں نے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کر ڈالے تھے۔

اب میں سکون سے بیٹھی وہ کارڈز دیکھ رہی تھی۔ وہ کارڈز جو لکھے تو جاتے تھے مگر بھیجے نہیں گئے تھے۔ وہ آج بھی کسی قیمتی اور انمول یاد کی طرح رات کی تنہائی میں چپکے چپکے دیکھے جاتے تھے۔

میں اپنی محبت سے ان کا دل جیتنے میں ناکام ہو گئی تھی اور یہ احساس کتنا دل دکھانے والا تھا کہ وہ شخص جس سے میں نے بے حد و حساب محبت کی' وہ میرا نہیں۔ اس کے دل میں میں نہیں۔ ایسی محبتیں تو شادی سے پہلے یہ مرد پتا نہیں کتنی کرتے ہیں مگر سب کے سب اسے دل سے لگا کر تو نہیں بیٹھ جاتے۔ شاید اس لیے کہ ہر مرد سالک نعمان نہیں ہوتا۔ اس شخص نے کتنی آسانی سے مجھے بے وقوف بنایا۔ میری محبت کا مذاق اڑایا۔

شام میں ان کی آمد پر میں بالکل نارمل تھی۔ اپنے کسی انداز سے میں نے ان پر کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔

وہ اپنے معمول کے انداز میں محتشم کے ساتھ لان میں کھیل رہے تھے۔ میرے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔

آج کل زیادہ تر وقت سامان کی پیکنگ میں گزر جایا کرتا تھا۔ میں اس روز رات گئے تک پیکنگ میں مصروف رہی تھی' انہوں نے بھی میری مدد کروائی تھی۔

اگلے روز ان کے آفس جانے کے بعد' میں ممانی جان سے ضروری کام سے مارکیٹ جانے کا کہہ کر گاڑی میں بیٹھ کر پوسٹ آفس آگئی تھی۔ گھر سے تیار کر کے لایا ہوا لفافہ میں نے مصطفیٰ بھائی کے آفس کے پتے پر پوسٹ کر دیا تھا۔ لفافے پر پتا میں نے رائٹنگ چینج کر کے لکھا تھا۔ میں اپنا کوئی سراغ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ جانے کی افراتفری میں سالک کے پاس اتنا وقت یقیناً" نہیں بچے گا کہ وہ یہ دیکھ سکیں کہ ان کے اتنے سالوں کے جمع شدہ کارڈز میں سے تین کارڈز غائب ہیں۔ اس سب میں میرے شوہر کی بھی بے عزتی تھی مگر مجھے اس کی مطلق پروا نہیں تھی۔ آخر پتا تو چلے مصطفیٰ بھائی کو کہ ان کی نیک' شریف اور پاک باز بیوی بھی کس طرح کسی کی محبوبہ رہی ہے۔ "تم نے میرا دل اجاڑا ہے' چین سے تو میں تمہیں بھی نہیں رہنے دوں گی۔ اگر میں خوش نہیں تو تم کس طرح خوش رہ سکتی ہو۔ اگر میرا شوہر مجھ سے پیار نہیں کرتا تو تمہارا کیوں کرے۔ تم اور سالک نعمان۔ تم دونوں مل کر دل ہی دل میں میری بے وقوفی پر کس قدر ہنستے ہو گے۔ سوچتے ہو گے کہ میں کتنی پاگل اور بے وقوف ہوں کہ ایکٹنگ کو سچی محبت سمجھ رہی ہوں۔"

گھر واپس آکر میں ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی بوجھ تھا مجھ پر جو میں نے اتار پھینکا۔ میں جانے کی گہما گہمی میں مصروف ہونے کے باوجود مسلسل سوچ رہی تھی کہ اب تک تو یقیناً" وہ لفافہ انہیں مل گیا ہو گا۔ ان کا ردعمل میں گھر بیٹھے بھی محسوس کر سکتی تھی۔ اچھے سے اچھا اور بے تحاشا محبت کرنے والا شوہر بھی اپنی بیوی کی عشقیہ داستان خوشی خوشی نہیں سن سکتا۔ وہاں کیا طوفان آیا ہو گا۔ وہ جو کچھ بھی ہوا' اسے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

رات بارہ بجے ہماری فلائٹ تھی۔ شام میں سب ہی لوگ ہم سے ملنے آئے تھے۔ فریال اور حمیرا اپنے شوہروں اور بچوں کے ساتھ موجود تھیں۔ عروبہ آپی' اشعر بھائی اور بچے بھی آئے ہوئے تھے' امی اور طہٰ بھی تھے۔ امی اور طہٰ کو بجو کے نہ آنے پر تشویش ہو رہی تھی۔ سالک بھی کچھ بے چین سے نظر آرہے تھے۔ مگر میں بالکل پرسکون تھی۔ وہ اب اس گھر میں کبھی نہیں آسکتیں۔ یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم تھی۔ جب ہم لوگ ایئرپورٹ جانے کے لیے گھر سے نکل رہے تھے اس وقت فون کی بیل بجی تھی۔ ممانی جان نے فون ریسیو کیا تھا۔ میں' امی اور سالک وہیں کھڑے تھے۔ باقی لوگ باہر نکل چکے تھے۔ ممانی جان' بجو کو سسرالیوں والے روایتی قسم کے طعنے میٹھے میٹھے الفاظ میں لپیٹ کر دے رہی تھیں۔ انہیں اس طرح میٹھے انداز میں وار کرنا بہت پسند تھا۔ کام بھی پورا ہو جائے اور خود پر کوئی حرف بھی نہ آئے۔

"سب تمہارا انتظار کر رہے تھے' میں نے کہا' ضرور کوئی پرابلم ہو گئی ہے ورنہ ایسی کیا مصروفیت کہ بندہ بہن بہنوئی کو خدا حافظ کہنے نہ آسکے۔" امی کے چہرے پر ان کی باتوں سے ناپسندیدگی کے رنگ ظاہر ہو رہے تھے۔ سالک کے چہرے پر بھی بے زاری اور کوفت طاری تھی مگر اپنی عزت مآب والدہ کو بیوی اور ساس کے سامنے ٹوک بھی نہیں سکتے تھے۔ اپنے دل کی بھڑاس نکال کر انہوں نے ریسیور مجھے پکڑا دیا تھا۔ وہ اپنے نہ آسکنے پر مجھ سے معذرت کر رہی تھیں۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں' حبہ کو بھی بخار ہو رہا ہے۔ تم دل برا مت کرنا۔ اللہ نے چاہا تو ہم جلد ہی دوبارہ ملیں گے۔ اپنا خیال رکھنا۔ محتشم کو میری طرف سے خوب پیار کرنا۔"

انہوں نے سالک کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ شاید یہ فون مصطفیٰ بھائی کی موجودگی میں ہو رہا تھا۔

"بجو! سالک بھی یہیں کھڑے ہیں' بات کریں گی آپ ان سے۔؟"

میرے سوال پر وہ ایک پل کو سٹپٹا گئی تھیں۔

"نہیں بس اب تم لوگ لیٹ ہو رہے ہو گے۔ میری طرف سے اسے خدا حافظ کہہ دینا۔"

وہ بہ وقت تمام بولی تھیں اور میری بے چین روح کو قرار آگیا تھا۔ یہاں سے جاتے وقت میرے دل میں کوئی ملال کوئی حسرت نہیں تھی۔

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے ایک نظر سالک کو دیکھا تو ان کا چہرہ دھواں دھواں نظر آیا۔ وہ یہاں سے جاتے

وقت ان سے ملنا چاہتے تھے' یا کم از کم ان کی آواز سننا چاہتے تھے مگر اب ان کا چہرہ ایک دم ویران اور اداس نظر آرہا تھا۔

سفر کے دوران بھی وہ سارا وقت خاموش رہے۔ فرینکفرٹ پہنچنے کے بعد کچھ عرصہ تو گھر سیٹ کرنے اور دوسری پاکستانی فیملیز سے ملنے ملانے میں گزر گیا۔ پاکستان میں سب سے خط و کتابت تھی۔ سوائے بجو کے۔ انہوں نے میرے کسی بھی خط کا جواب نہیں دیا تھا۔ میں انہیں فون کرتی تو ان کا انداز عجلت بھرا ہوتا تھا۔ اس طرح لگتا تھا جیسے وہ جلد سے جلد فون بند کرنا چاہتی ہیں۔

زیادہ تر پاکستان فون ہم ایک ساتھ بیٹھ کر ہی کرتے تھے تاکہ میری' سالک اور ممانی جان سب کی بات ہو سکے اور بجو کو فون کرتے وقت تو میں خاص طور پر کوشش کرتی تھی کہ سالک بھی موجود ہوں۔ ہر بار میرے پوچھنے پر کہ کیا سالک سے بات کریں گی' وہ بوکھلا جاتی تھیں۔ بار بار انکار بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ میں بے نیازی سے ریسیور سالک کے ہاتھ میں پکڑاتی' وہ خوشی خوشی ہائے ہیلو کرتے مگر وہاں سے آتا سرد و سپاٹ جواب انہیں حیران کر دیتا تھا۔ وہ خود سے ان سے کچھ پوچھتی بھی نہیں تھیں۔ بس جو بات سالک ان سے پوچھتے' سیدھا سیدھا اس کا مختصر سا جواب دے کر چپ ہو جاتیں' اس اسٹائل سے کچھ جھلا کر اور کچھ تنگ آکر وہ خود ہی انہیں خدا حافظ کہہ کر ریسیور واپس مجھے پکڑا کر وہاں سے اٹھ کر چلے جاتے۔

شروع شروع میں ایسا ہوا' اس کے بعد تو پھر وہ میرے لاکھ اصرار پر بھی فون کرتے وقت نہیں آتے تھے "تم بات کر لو' میرا موڈ نہیں" یا "میں بزی ہوں" کہہ کر خود کو لاپروا پوز کرتے اور میں سنجیدگی سے گردن ہلاتی وہاں سے آجاتی۔

♥ ♡ ♡ ♥
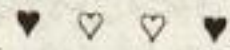
ہم لوگ وہاں پر مکمل طور پر سیٹ ہو گئے تھے' محتشم کا بھی اسکول میں ایڈمیشن کروا دیا تھا۔ ویک اینڈ پر ہم لوگ مختلف جگہوں پر گھومنے پھرنے بھی چلے جایا کرتے تھے۔ کولون جاتے وقت میرے معصومیت سے یہ پوچھنے پر کہ "کولون کو کولون کیوں کہتے ہیں؟" وہ شریر انداز میں بولے تھے "پہلے تم مجھے بتاؤ کہ گلاب کو گلاب کیوں کہتے ہیں اور نینا کو نینا کیوں کہتے ہیں؟"

اپنی بات انجوائے کرتے ہوئے وہ بہت دیر تک ہنستے رہے تھے۔ سالک کو آفس کے کام سے کراچی جانا تھا۔ جانا تو میں بھی چاہتی تھی' سب لوگ بہت یاد آرہے تھے مگر محتشم کے اسکول کا سوچتے ہوئے میں نے دل کو سمجھا لیا تھا۔ ایک ہفتہ بعد وہ واپس آئے کچھ بدلے بدلے سے محسوس ہوئے۔ پتا نہیں انہیں کیا ہو گیا تھا وہ ایک دم چپ ہو گئے تھے۔ ہر دم قہقہے لگانے اور ہنسنے ہنسانے والا آدمی اچانک سنجیدہ ہو جائے تو ہر آدمی ہی محسوس کرے گا۔ ممانی جان بھی ان کی سنجیدگی پر حیران تھیں۔ میرا خیال تھا کہ کسی آفس پرابلم کی وجہ سے وقتی ٹینشن ہے۔ کچھ دنوں میں وہ بالکل نارمل ہو جائیں گے۔

ان دنوں خود میری حالت ایسی تھی کہ میں اس بارے میں زیادہ سوچ نہیں پائی تھی۔ مجھے امی' سب بہن بھائی اور اپنا گھر بڑی شدت سے یاد آرہا تھا۔ پھر جس روز فائز پیدا ہوا' میں سب لوگوں کو یاد کر کے بہت روئی تھی۔ سالک نے فائز کی پیدائش بھی محتشم کی طرح کی خوشی نہیں منائی تھی۔ تب انہوں نے کتنے خوبصورت سونے کے کنگن مجھے گفٹ کیے تھے۔ میرے یاد دلانے پر وہ سرسری انداز میں بولے تھے۔

"پیسے ہوتے تو ہیں تمہارے پاس' لے آنا جا کر اپنی پسند سے کوئی بھی چیز۔"

ان کا یہ اسٹائل میرے لیے بہت دل دکھانے والا تھا۔ بظاہر وہ مجھ سے بات کرتے' ہم ساتھ کھانا کھاتے' ایک ہی بیڈ روم میں سوتے مگر پھر بھی ایک دیوار تھی جو میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گئی تھی اور یہ دیوار انہوں نے خود اٹھائی تھی۔ وہ ایسا کیوں کر رہے تھے' میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ محبت اگر ایکٹنگ تھی میں تب بھی اب اس کی عادی ہو چکی تھی۔

میں ان سے اتنی محبت کرنے لگی تھی کہ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ ان کی محبت ایک دکھاوا ہے' اپنی بقیہ زندگی ان ہی کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ ان کا اسٹائل ایسا تھا کہ میں چاہتے ہوئے بھی ان سے اس بارے میں کھل کر بات نہیں کر پا رہی تھی۔ ایک مرتبہ میرے سرسری انداز میں یہ پوچھنے پر "آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ ایک دم اتنے سنجیدہ اور چپ کیوں رہنے لگے ہیں۔؟" فائل پر سے سر اٹھا کر بے تاثر لہجے میں بولے تھے۔

"وقت کے ساتھ ہر آدمی ہی میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آتی ہے' سو مجھ میں بھی آرہی ہے۔ ساری زندگی تو انسان لاابالی پن سے قہقہے لگاتا ہوا نہیں گزار سکتا۔ اب ہم دو بچوں کے ماں باپ ہیں۔ کوئی یونیورسٹی میں ساتھ پڑھنے والے کلاس فیلوز نہیں کہ ہر وقت غیر سنجیدگی طاری رکھی جائے۔"

ان کے جواب میں اتنی اجنبیت اور اتنا کھردرا پن تھا کہ میں اندر تک جل گئی تھی۔

وہ گھر سے متعلق اب کسی بھی معاملے میں پہلے کی طرح دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ کہیں جاتے وقت میں اپنے پہننے والے لباس سے متعلق ان کی رائے لیتی تو وہ بغیر میری طرف دیکھے "جو دل چاہے پہن لو۔" کہہ کر دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو جاتے۔ گھر پر کسی کی دعوت ہوتی اور مینو کے بارے میں' میں ان کی رائے لیتی تو "ٹھیک ہے جو دل چاہے پکا لو۔"

ہر مہینے مجھے گھر کے اور میرے ذاتی اخراجات کے لیے ایک لمبی چوڑی رقم ہاتھ میں پکڑانے کے بعد وہ گھر اور اس سے متعلق ہر چیز سے لاتعلق ہو جایا کرتے تھے۔ میں پیسہ کہاں خرچ کرتی ہوں۔ سوچ سمجھ کر خرچ کر رہی ہوں یا بے دریغ لٹا رہی ہوں' وہ کبھی پلٹ کر نہیں پوچھتے تھے۔ پہلے میں اپنی ہر شاپنگ ان کے ساتھ کیا کرتی تھی۔ اب تو عرصہ ہو گیا تھا مجھے ان کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئے ہوئے۔ ان کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ آفس سے ڈھیر ساری فائلز اٹھا کر لے آیا کرتے اور پھر رات گئے تک بیٹھے ان میں مصروف رہا کرتے تھے۔ کبھی کبھار تو میں ان کا انتظار کرتے کرتے سو جایا کرتی تھی۔

میں اپنے احساسات کسی کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی' نہ میری ایسی کوئی قریبی دوست تھی اور نہ ہی بہنوں سے میری اس قسم کی بے تکلفی اور قربت تھی۔ اپنی ہر پریشانی اور ہر مشکل کا سامنا مجھے خود ہی کرنا تھا۔ شاید اس لیے کہ ابا میاں کے گھر سے سالک نعمان کے گھر تک کا فاصلہ طے کرتے وقت میں اپنی سب کشتیاں جلا چکی تھی اب میرے پاس واپس پلٹنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہمارے درمیان کچھ فاصلہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس بات کی بھنک تو میں نے ممانی جان تک کو نہیں پڑنے دی تھی۔

محتشم کی چھٹی سالگرہ کچھ دن پہلے ہم نے خوب دھوم دھام سے منائی تھی۔ وہ بلا کا حاضر جواب اور ذہین تھا۔ میرے بچوں کو خوبصورتی اور ذہانت وراثت میں ملی تھی۔ کم ذہین تو فائز بھی نہیں تھا مگر محتشم۔ اس سے تو اس کے ٹیچرز تک پناہ مانگا کرتے تھے۔

صرف یہی ایک وہ مشترک بات تھی جس پر سالک بھی میری طرح خوش ہوا کرتے تھے۔ بچوں سے ان کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ روزانہ پڑھاتی تو انہیں میں ہی تھی مگر سالک بھی بچوں کی پڑھائی کی طرف سے لاپروا نہیں تھے۔ اپنے بچوں کی ہر خوشی اور ہر کامیابی ہم آج بھی ایک ساتھ سیلبریٹ کرتے تھے۔ باقی نہ اب انہیں میری سالگرہ یاد رہتی تھی نہ ہماری ویڈنگ اینورسری۔

خود ان کی سالگرہ پر میں نے انہیں گفٹ اور کارڈ دیا تو انہوں نے بغیر کوئی تاثر دیے شکریہ کہتے ہوئے وہ چیزیں لے کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دی تھیں۔ وہ آفس جانے کی تیاری میں مگن تھے۔ ٹائی کی ناٹ باندھنے کے بعد انہوں نے بالوں میں برش پھیرا اور گاڑی کی چابی اور بریف کیس اٹھا کر باہر چلے گئے تھے۔ میں ان کے اس رویے پر کتنا روئی تھی۔ وہ گفٹ کتنے دنوں تک اسی طرح پڑا رہا تھا۔

وہ تو ایک دن محتشم نے ہی انہیں ٹوکا تھا۔

"پاپا! آپ ہمیں تو مینرز سکھاتے رہتے ہیں اور خود کے پاس اتنی کرٹسی بھی نہیں کہ مما کا دیا ہوا گفٹ ان کا دل رکھنے ہی کے لیے کھول کر دیکھ لیتے۔"

وہ جس قسم کا صاف گو بچہ تھا اس سے ایسی ہی بات کی توقع کی جا سکتی تھی۔ میں اس کی بات سن کر کچھ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ کہیں سالک یہ نہ سمجھیں میں نے بچوں سے ایسی کوئی بات کی ہے۔ مگر وہ ہنستے ہوئے محتشم کے سامنے اپنے بیڈ مینرز پر سوری کرتے ہوئے گفٹ کھولنے لگے تھے۔ اس روز غصے کے ساتھ ساتھ مجھے محتشم پر پیار بھی بہت آیا تھا' وہ میرا بیٹا تھا نا' ساری دنیا میں میری واحد پونجی میرے بچے' جن کی محبت کی میں بلا شرکت غیرے مالک تھی۔ میرے اور محتشم یا میرے اور فائز کے درمیان کوئی نور الصباح حائل نہیں تھی۔ مگر پھر بھی اس کے بعد میں نے انہیں کبھی کوئی گفٹ نہیں دیا۔ ان کی برتھ ڈے اور دوسرے خوشی کے موقعوں پر انہیں وش کر دیا کرتی تھی۔ کبھی کبھار ان کے لیے کارڈ خرید بھی لیتی مگر دیتی نہیں تھی۔

پوسٹنگ پریڈ تمام ہوا اور ہم واپس پاکستان آئے تو یہاں طٰہٰ کی شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ خطوط اور فون کے ذریعے میرا سب سے رابطہ رہتا تھا مگر ملاقات سب سے اس دوران نہیں ہوئی تھی۔ ممانی جان نے اس دوران تین مرتبہ پاکستان کا چکر لگایا تھا' وہ مجھ سے بھی کہتی تھیں مگر میری انا مجھے ایسی کسی بات کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ کیا انہیں خود سے اس بات کا خیال نہیں آتا کہ میں سب کو مس کر رہی ہوں' مجھے میری ماں اور بھائی بہن یاد آ رہے ہوں گے اور اگر انہیں خیال نہیں تو میں خود اپنے منہ سے کیوں کہوں۔

طٰہٰ نے اپنے لیے لڑکی پسند کرنے کا اختیار بجو کو سونپ دیا تھا۔

"جس لڑکی سے بجو کہیں گی میں شادی کر لوں گا۔"

اور بجو نے اس کے لیے خالہ جان کی سمیرا کا انتخاب کیا تھا۔ بجو کے انتخاب پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہی خالہ جان جو ابا میاں کے بعد ہمارے گھر کا راستہ بھی بھول گئی تھیں آج انہیں کی بیٹی اس گھر کی بہو بننے جا رہی تھی۔ ایئرپورٹ پر طٰہٰ کو دیکھ کر میرا سر فخر سے بلند ہو گیا تھا۔ ان گزرے برسوں میں وہ کتنا بدل گیا تھا۔ بجو نے ڈاکٹر بنانے کا جو خواب میرے حوالے سے دیکھا تھا وہ طٰہٰ نے پورا کر دیا تھا۔ میں سب سے کتنی بے تابی سے ملی تھی۔

سب سے مل لی تھی میں سوائے بجو کے۔ شام میں وہ آئیں تو میں ایک دم اٹھ کر بھاگتے ہوئے بچوں کی طرح جا کر ان کے گلے لگ گئی تھی۔ اپنی کیفیت مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی انہیں تو میں نے کبھی یاد بھی نہیں کیا تھا پھر میں اس طرح بے اختیار ہو کر کیوں ان سے لپٹ گئی تھی۔ مجھے روتا دیکھ کر ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔

سب بدلے ہوئے محسوس ہوئے تھے مجھے سوائے بجو کے۔ امی کتنی کمزور اور ضعیف ہو گئی تھیں۔ عروبہ آپی کتنی موٹی اور سست ہو گئی تھیں مگر بجو' وہ آج بھی ویسی ہی تھیں۔ وہی مسکراہٹ وہی پرسکون انداز۔ ماہ و سال تو جیسے انہیں چھوئے بغیر گزر گئے تھے۔

میں نے بجو اور مصطفیٰ بھائی کے درمیان موجود تعلقات کا اندازہ لگانا چاہا تو کوئی سرا ہاتھ نہ لگا۔ ان دونوں کے کسی انداز سے کوئی تناؤ یا دوری نظر نہیں آ رہی تھی۔ جب ہو بہو بجو تھی۔ شکل صورت سے لے کر اس کی نشست و برخاست' بول چال ہر چیز میں بجو کا رنگ نظر آ رہا تھا۔ امی کے منہ سے میں نے کئی بار یہ جملہ سنا تھا۔

"بس اللہ میری نور کو ایک چاند سا بیٹا دے دے۔"

اور یہ جملہ سن کر ایک عجیب سا احساس برتری میرے اندر پیدا ہوا تھا۔ میں ایک نہیں دو دو بیٹوں کی ماں تھی۔ کتنا خوش کن تھا یہ احساس میرے لیے۔

بجو اور سالک کے درمیان میں نے سلام کے بعد کوئی دوسری بات ہوتے نہیں دیکھی تھی۔ وہ رکے بھی بہت تھوڑی دیر تھے۔ شادی کے تمام فنکشنز میں بھی وہ کھڑے کھڑے مہمانوں کی طرح شریک ہوئے تھے۔ کتنی شرمندگی ہوئی تھی مجھے ان کے اس رویے پر۔ اشعر بھائی' سعد اور مصطفیٰ بھائی سب کس طرح اس خوشی میں بھرپور طریقے سے شامل ہوئے تھے اور انہیں کسی بات کا کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ میں سب کے سامنے وضاحتیں کر کر کے تھک چکی تھی۔ طٰہٰ نے بھی ان کے رویے کا برا منایا تھا۔ بجو اور مصطفیٰ بھائی کے علاوہ ہر فرد نے مجھ سے ان کے بارے میں پوچھا تھا۔

امی مجھ سے بات کرتی تھیں۔ انہوں نے باقی سب کی طرح میرے اور میرے بچوں کے لیے شادی کے دن کے کپڑے بنائے تھے۔ ان کے کسی انداز سے کسی ناراضی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ مگر پھر بھی میرا دل چاہتا تھا میں ایک بار امی کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لوں۔ میں نے ان کا دل دکھایا تھا اور اب خود ماں بن کر مجھے اس بات کا زیادہ ہی احساس ہونے لگا تھا۔ مگر ہر بار میری ہمت جواب دے جاتی تھی۔ وہ بجو اور مصطفیٰ بھائی کے ساتھ حج پر جانے والی تھیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

طٰہٰ کی شادی کے فوراً بعد امی' بجو اور مصطفیٰ بھائی کے ساتھ حج کرنے چلی گئی تھیں۔ ایئرپورٹ پر امی کو خدا حافظ کہتے ہوئے پتا نہیں میرے دل کو کیا ہو رہا تھا۔ انہوں نے محتشم اور فائز کو لپٹا کر پیار کیا تھا۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ پتا نہیں کیوں مجھے بہت رونا آ رہا تھا۔

"کیا ہوا بیٹا؟" ماں تھیں نا۔ پتا نہیں کیسے میری کیفیت سمجھ گئی تھیں۔ اتنی دیر کے رکے ہوئے آنسو یک دم بہنا شروع ہو گئے تھے۔

"امی مجھے..." میں اٹکتے ہوئے صرف اتنا ہی بول پائی تھی کہ ایک دم تیزی سے بجو امی کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں۔

"چلیں امی! فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔" امی کا ہاتھ تھام کر وہ عجلت بھرے انداز میں بولی تھیں۔

"ہاں چل رہے ہیں۔" بجو کو اطمینان دلاتی وہ پھر میری طرف متوجہ ہوئیں۔

"بیٹا! اپنا خیال رکھنا۔" میرا ماتھا چومتے ہوئے انہوں نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ پھر سب کو الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتی وہ بجو اور مصطفیٰ بھائی کے ساتھ اندر چلی گئی تھیں۔

میں بجو کا ہاتھ تھام کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی امی کو آنسو بھری نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ اس روز گھر واپس آ کر میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ امی حج سے واپس آ جائیں پھر میں ان سے اپنے ہر کردہ ناکردہ گناہ کی معافی مانگ لوں گی۔

میں بے تابی سے امی کی واپسی کی منتظر تھی۔ ہر روز کیلنڈر دیکھتی کہ امی کے آنے میں کتنے دن رہ گئے۔ میں فائز اور محتشم کو پڑھا رہی تھی جب فون کی بیل بجی تھی۔ پتا نہیں دوسری طرف کون تھا اور سالک سے کیا کہہ رہا تھا کہ وہ ایک دم چپ ہو گئے تھے۔ میں بچوں سے توجہ ہٹا کر پوری طرح انہیں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ وہ بالکل چپ صرف دوسری طرف سے کی جانے والی بات سن رہے تھے۔ ممانی جان نے بھی ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹا کر چونک کر انہیں دیکھا تھا۔ ان کے ریسیور رکھتے ہی میں نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

"کیا ہوا؟ کس کا فون تھا؟" پتا نہیں ایسا کیوں لگ رہا تھا جیسے کوئی میرے دل کو مسل رہا ہے۔ انہوں نے ایک خاموش اور اداس سی نظر مجھ پر ڈالی اور آہستہ آواز میں بولے۔

"پھپھو کا انتقال ہو گیا ہے۔" پتا نہیں یہ الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ میرے کانوں میں انڈیلا گیا تھا۔

"نہیں میری امی اس طرح نہیں جا سکتیں۔ کسی نے آپ سے مذاق کیا ہے۔ طٰہٰ کو فون کریں اس سے پوچھیں۔ دیکھ لیجیے گا یہ جھوٹ ہو گا۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ امی میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں۔ آپ کو کیا پتا وہ مجھ سے کتنا پیار کرتی ہیں سب سے زیادہ مجھے چاہتی ہیں' کیا وہ مجھے دیکھے بغیر' میری بات سنے بغیر جا سکتی ہیں۔ ابھی تو مجھے ان سے ایک بات کرنی تھی۔" میرے حواس میرا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ آنکھ کھلی تو میں نے خود کو اسپتال کے بستر پر پایا تھا۔ سالک' ممانی جان' طٰہٰ' سمیرا' عروبہ آپی' اشعر اور میرے بچے سب میرے اردگرد کھڑے تھے۔ مگر وہ نورانی چہرہ۔ وہ کہاں ہے۔

"نینا! صبر کرو بیٹا۔ دیکھو تو خدا نے انہیں کتنی اچھی موت دی ہے۔ انہیں مدینہ کی خاک نصیب ہو گئی۔ ایسی موت تو قسمت والوں کو ملتی ہے۔"

اشعر بھائی کی ممی نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ میں کیسے کسی کو سمجھاتی کہ مجھے صبر کیوں نہیں آتا۔ میں کیا کروں میری تو دنیا اور آخرت سب برباد ہو گئی۔ اب میرے دل کو چین نہیں آ سکتا۔

بجو اور مصطفیٰ بھائی واپس آئے تو میری حالت کا سن کر وہ لوگ ایئرپورٹ سے سیدھے ہمارے گھر آ گئے تھے۔ اشعر بھائی اور طٰہٰ انہیں ریسیو کرنے گئے تھے۔ باقی سب لوگ ہمارے گھر پر ہی تھے۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئیں عروبہ آپی اور فہمی جو کچھ دیر پہلے مجھے نصیحتیں کر رہی تھیں' سمجھا رہی تھیں' بھاگتی ہوئی جا کر ان کے گلے لگ گئی تھیں۔ وہ دونوں بلک بلک کر رو رہی تھیں۔

بجو کی آنکھوں سے بھی اشک رواں تھے۔ باقی سب بھی آبدیدہ نظروں سے ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ طٰہٰ ان لوگوں کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آنسو بہاتے ان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ عروبہ آپی اور فہمی کو آہستگی سے الگ کرتی ہوئی میرے پاس آنے لگیں۔ ایک ایک قدم بڑھاتی میری طرف۔ "چلیں امی! فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔" مجھے یہ جملہ کہیں پاس ہی سنائی دیا اور امی میری بات پوری سنے بغیر اس عورت کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئیں۔ میں امی سے معافی مانگ رہی تھی' آدھا جملہ بول بھی دیا تھا صرف دو لفظ رہ گئے تھے کہ یہی عورت ہمارے درمیان آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اگر اس وقت یہ ہمارے درمیان نہ آئی ہوتی تو میرا جملہ پورا ہو جاتا اور اس روز وہ مجھے ضرور معاف کر دیتیں۔ آہ میں ایک بار پھر اس عورت سے شکست کھا گئی۔

وہ میرے پاس بیٹھ کر پتا نہیں کیا کیا کہہ رہی تھیں مگر میرے ذہن میں صرف "چلیں امی! فلائٹ کا ٹائم ہو گیا ہے" کی بازگشت گونج رہی تھی۔ تم ساری زندگی میرے

اور میری ماں کے درمیان حائل رہیں۔ تم نے انہیں مجھ سے چھینا' میری آنکھ سے ایک آنسو نہیں ٹپکا تھا۔ سب میری طرف دیکھ رہے تھے۔ شاید یہ سوچ کر کہ میں ان کے گلے لگ کر روؤں گی ہ

اس رات سب ہمارے ہی گھر رکے ہوئے تھے۔ رات میں ہم چاروں ایک ہی کمرے میں سوئے تھے۔ سوئے بھی کیا تھے' فہمی اور عروبہ آپی' امی کے آخری وقت کی ایک ایک بات ان سے بار بار پوچھ رہی تھیں۔ وہ تینوں بیڈ پر میرے پاس ہی بیٹھی تھیں اور میں چپ چاپ لیٹی ہوئی ان لوگوں کو ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

"اس روز امی' ریاض الجنہ' میں بیٹھی بہت دیر تک دعا مانگتی رہی تھیں۔ میں خاموشی سے بیٹھی ان کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ اتنی لمبی دعا مانگتے میں نے انہیں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا' مسجد سے باہر نکلے تو میں نے ان سے یہی بات پوچھی تھی اور وہ جواب میں بڑے نرم و ملائم لہجے میں بولی تھیں۔

"ایک ماں کے ہاتھ جب دعا کے لیے اٹھتے ہیں تو اس وقت اس کی نگاہوں کے سامنے اپنے بچوں کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا۔ میں تم لوگوں کی درازیٔ عمر' صحت' تندرستی اور خوشیوں کے لیے اللہ سے دعا مانگ رہی تھی اور نور! میں نے اللہ سے تمہارے لیے چاند سے بیٹے کی دعا مانگی ہے۔" میں ان کی بات پر مسکرا دی تھی۔

"نور! تم اپنے بیٹے کا نام محب اللہ رکھنا۔" وہ کچھ سوچ کر بولی تھیں۔

"میں کیوں رکھوں گی' آپ رکھیے گا۔ جس طرح حبہ کو سب سے پہلے آپ نے گود میں لیا تھا' اسی طرح اسے بھی آپ ہی لیں گی۔" میری بات کے جواب میں انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ بس خاموش ہو گئی تھیں۔"

بولتے بولتے بجو کی آواز بھرا گئی تھی۔ فہمی اور عروبہ آپی آنکھوں میں آنسو لیے انہیں اس طرح دیکھ رہی تھیں کہ ہمیں اور بتائیں' ایک ایک بات ہمیں بتائیں۔ انہوں نے کیا کہا۔ کیا کیا ہوا۔

"بجو! آپ کتنی خوش قسمت رہیں' آخری وقت میں آپ ان کے پاس تھیں۔ انہوں نے آپ کی گود میں سر رکھ کر آخری سانسیں لیں' آپ کی بانہوں میں دم دیا۔" عروبہ آپی روتے ہوئے بولی تھیں۔

"جب ہم مسجد سے ہوٹل پہنچے تھے' کھانا کھاتے ہی امی کی اچانک طبیعت خراب ہونے لگی تھی۔ مصطفیٰ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے گئے' مگر ان کی طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی۔ پھر وہ اپنا سر میری گود میں رکھ کر بولیں۔

"نور! اپنے ہاتھ مجھے پکڑاؤ" پھر میرے ہاتھ پکڑانے پر انہوں نے میرے ہاتھوں کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"نور! میں تم سے بہت خوش ہوں اور میرا اللہ بھی یقیناً تم سے خوش ہو گا۔ میری دعائیں ہر قدم تمہارے ساتھ ہیں دیکھنا' وہ اللہ تمہیں بہت نوازے گا۔"

وہ امی کے آخری وقت کہے جانے والے الفاظ دہرا رہی تھیں۔ کلمہ شہادت پڑھنے سے پہلے جو لفظ ان کے منہ سے نکلا تھا' وہ نور تھا۔ میں خاموش بیٹھی ان تینوں کو روتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ آپ کو میں بالکل بھی یاد نہیں آئی تھی' کیا ایک بار بھی نہیں۔ آپ کو یہ کیوں نہ پتا چل سکا کہ آپ کی بیٹی جو بالکل آپ جیسی دکھتی ہے وہ آپ سے کس قدر محبت کرتی ہے۔ شاید اس نور الصباح سے بھی زیادہ۔ اچھا اب میں آپ سے اور کچھ نہیں مانگتی کم از کم ایک بار صرف ۔ مجھے خواب میں ہی اپنی شکل دکھا دیں۔ صرف ایک بار میرے خواب میں آ کر یہ کہہ دیں کہ نینا میں تم سے ناراض نہیں۔ مگر وہ میرے خواب میں بھی نہیں آئیں۔

♥ ♡ ♡ ♥
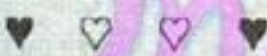
رفتہ رفتہ سب لوگ اپنے اپنے روٹین پر واپس آ گئے تھے۔ مگر میری زندگی سے سکون نام کی چیز جیسے مٹ چکی تھی۔ سالک کا رویہ وہی تھا۔ امی کے انتقال پر بھی انہوں نے مجھے اس طرح تسلی دینے کی کوشش نہ کی تھی۔ جیسی ایک بیوی اپنے شوہر سے توقع رکھتی ہے۔ مجھے ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ خود سے مزید دور ہوتے محسوس ہوتے تھے۔ اپنے بچوں کی خاطر میں ہنستی تھی' بولتی تھی مگر یہ دل جیسے مر گیا تھا۔

امی کی دعائیں قبول ہو گئی تھیں' بجو دوسری دفعہ پریگنینٹ ہو گئی تھیں۔ امی کی انتقال کے تیسرے مہینے ہی یہ خوشخبری مجھے عروبہ آپی نے فون پر دی تھی۔ میرا ان کے گھر آنا جانا' یا ان کا ہمارے ہاں آنا نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔ پتا نہیں ان کے اور مصطفیٰ بھائی کے تعلقات کس کم

کے تھے، مگر مجھے تو ان دونوں کے بیچ کسی مس انڈراسٹینڈنگ کا کوئی وجود نظر نہیں آتا تھا۔ ہماری زیادہ تر ملاقات بچوں کے اسکول میں ہوتی تھی۔ جب بھی محتشم اور فائزہ کے اسکول میں تھی۔ محتشم اور وہ تو تھے بھی ایک ہی کلاس میں۔ پڑھائی کے حوالے سے ان دونوں میں سخت مقابلہ بھی چلتا تھا۔

اس روز اسکول میں تقریری مقابلہ تھا، محتشم ایسی ایکٹویٹیز میں ضرور شریک ہوتا تھا اور ہمیشہ فرسٹ پرائز ہی جیت کر لاتا تھا۔ اپنے بیٹے کی خوشی میں شریک ہونے کے لیے میں جانے کی تیاری کر رہی تھی جب بجو کا فون آگیا۔

"نینا! جاتے وقت مجھے بھی پک کر لینا۔ اگر میں نہیں گئی تو حبہ سخت ناراض ہوگی۔" میں نے انہیں ان کے گھر سے پک کیا تو وہ بہت تھکی تھکی اور نڈھال نظر آئیں۔

"بجو! آپ مصطفیٰ بھائی سے کہہ دیتیں، وہ چلے جاتے۔" میں نے ان کی حالت دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ آج کل میں کبھی بھی ڈلیوری متوقع تھی۔

"مصطفیٰ ہی کو جانا تھا مگر اچانک ہی ایک میٹنگ کی وجہ سے انہیں اسلام آباد جانا پڑ گیا۔ اب بچے تو بچے ہیں، انہیں کون سمجھائے۔" وہ بڑے پیار سے حبہ کا ذکر کر رہی تھیں۔

میں ان کی وجہ سے گاڑی لیفٹ ٹریک پر رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ چلا رہی تھی۔ "پتا ہے نینا! کل میں نے خواب میں امی کو دیکھا۔" وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی تھیں۔

"خواب میں؟" اسٹیرنگ ایک پل کو میرے ہاتھوں سے بے قابو ہوا۔ وہ میری حالت سے بے نیاز خوشی خوشی مجھے اپنا خواب سنا رہی تھیں۔

"امی نے بہت خوبصورت سفید رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ میں بیڈ پر ایک چھوٹے سے بچے کو گود میں لیے بیٹھی تھی جب وہ میرے پاس آئیں اور آتے ہی مجھے پیار کیا اور پھر اسے میری گود سے لے کر پیار کرتے ہوئے بولیں "یہ محب اللہ تو بالکل مصطفیٰ پر گیا ہے۔ نینا گاڑی سنبھالو۔ دیکھو سامنے سے گاڑی آرہی ہے۔"

وہ اچانک چیخی تھیں مگر میرے سنبھلتے سنبھلتے بھی دیر ہو چلی تھی۔ سامنے والی گاڑی میں بیٹھا آدمی ہمارا اور گاڑی کا اتنا برا حشر دیکھ کر فوراً "بھاگ گیا تھا۔ دو چار منٹ تو میرا ذہن کچھ بھی سوچ ہی نہیں سکا۔ مجھے بہت بری طرح چوٹیں آئی تھیں۔ سر سے، بازو سے خون بہہ رہا تھا اور پاؤں ایسا لگ رہا تھا ہیں ہی نہیں۔ اچانک میری نظر بجو پر پڑی۔

"او میرے خدا!" انہیں دیکھ کر مجھے اپنے حواس بحال کرنے پڑے۔ وہاں تو دو دو زندگیوں کا سوال تھا۔ وہ شاید بے ہوش ہو گئی تھیں۔ میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور دوسری طرف سے آکر انہیں باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ میرے کہاں سے خون بہہ رہا ہے اور میں کتنی زخمی ہوں، میں بھول چکی تھی۔ بڑی مشکلوں سے انہیں گاڑی سے باہر نکال کر سڑک پر لٹا دیا۔ وہ نئی آبادی تھی۔ زیادہ تر پلاٹ خالی پڑے تھے۔ میں ایک نظر ان پر ڈال کر ادھر ادھر مدد کے لیے دیکھنے لگی۔

"بجو! آپ ٹھیک ہیں۔" میں ان کے دل کی دھڑکن دیکھتے ہوئے چلائی تھی۔

"نینا! مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔ نینا میں مر رہی ہوں۔ یا اللہ میری مدد کر۔ یا اللہ میری مدد کر۔"

وہ میری پکار کے جواب میں بولی تھیں۔ میں انہیں چھوڑ کر روڈ کی طرف آگئی۔ سامنے سے ایک گاڑی آتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ میں اسے ہاتھ دینے ہی والی تھی کہ ایک آواز اپنے پاس ہی سنائی دی۔

"چلیں امی فلائیٹ کا ٹائم ہو گیا ہے۔" میرا اٹھتا ہوا ہاتھ گر گیا تھا۔ میرے پیچھے سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد درد اور تکلیف سے کراہتی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"نینا، کسی کو بلاؤ، نینا مجھے بہت تکلیف ہے۔" اور ایک طرف سے "چلیں امی! فلائیٹ کا ٹائم ہو گیا ہے۔" کی آواز آرہی تھی۔ ایک کے بعد ایک گاڑی میرے سامنے سے گزرتی جا رہی تھی۔

"امی خواب میں آئی تھیں۔ محب اللہ کو گود میں لیا تھا۔"

"نینا! مجھے بچالو۔ نینا! جلدی کرو۔" میں سڑک پر تنہا کھڑی چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ تب ہی ایک گاڑی خود بخود میرے پاس آکر رک گئی تھی۔

"کیا آپ کے ساتھ کوئی پرابلم ہو گئی ہے۔ میں گاڑی آگے لے گیا تھا مگر آپ کے رونے کی وجہ سے مجھے واپس آنا پڑا۔" وہ چالیس پینتالیس سال کا بردبار سا آدمی تھا۔

"میری بہن کو بچالیں۔ پلیز میری بہن کو بچالیں۔ وہ پریگنینٹ ہے اس کی جان کو خطرہ ہے، آپ اسے بچا لیں۔"

کہتے کہتے میں خود سڑک پر گر گئی تھی۔ ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے مجھے بجو کا خیال آیا تھا۔ اپنے پاس بیٹھی ممانی جان کو دیکھ کر میں نے ایک دم اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

"لیٹی رہو۔ تمہیں بہت چوٹیں آئی ہیں۔"

"بجو کہاں ہیں۔؟" میں ان کی بات نظر انداز کر کے چلائی تھی۔

"ٹھیک ہے وہ، اللہ کا شکر ہے، جان بچ گئی۔" وہ میرا ہاتھ پکڑ کر تسلی دینے والے انداز میں بولی تھیں۔

"یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر۔" میں نے بے اختیار شکر ادا کیا تھا۔

"اور وہ؟" پتا نہیں یہ پوچھتے وقت ایک مجرمانہ احساس میرے اندر کیوں ابھرا تھا۔

"وہ نہیں بچ سکا۔ اتنے شدید ایکسیڈنٹ کے بعد نور کی اپنی جان بچ گئی یہی بات کسی معجزے سے کم نہیں۔ ڈاکٹروں نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ بچہ تو مر چکا ہے ماں کی زندگی کا بھی صرف دس فیصد ہی چانس ہے۔ کتنا خون بہہ گیا تھا۔ پتا نہیں کوئی دعائیں ہی تھیں جو نور کو بچا گئیں۔" وہ آہستگی سے بولی تھیں۔

"میں بجو کو دیکھوں گی۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔" میں ضدی انداز میں بولی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ مجھے بہلاتی رہیں، پھر میرے بہت شور مچانے پر مجھے وہیل چیئر پر بٹھا کر ان کے روم میں لایا گیا تھا۔ میرا پاؤں بہت بری طرح زخمی ہوا تھا۔ میں بالکل بھی چل نہیں سکتی تھی۔

وہاں پر سالک سمیت سب لوگ موجود تھے۔ وہ خواب آور ادویات کے زیر اثر سو رہی تھیں۔ سب چپ چاپ اور اداس بیٹھے تھے۔

سالک نے میری طرف دیکھا تو وہ آنکھیں مجھے ہمیشہ سے بھی زیادہ سرد اور اجنبیت لیے ہوئی محسوس ہوئیں۔ ایسا لگا جیسے ان آنکھوں میں میرے لیے نفرت ہے۔ شدید نفرت۔ میں ان آنکھوں سے کانپ گئی تھی۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر باہر چلے گئے تھے۔ سب لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے تھے، میری طبیعت پوچھ رہے تھے۔ عروبہ آپی نے مجھے روتے ہوئے بتایا تھا۔

"میں نے بجو کو اس طرح روتے کبھی نہیں دیکھا۔ انہوں نے ہوش میں آتے ہی اپنے بچے کا پوچھا تھا۔ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں میرے محب اللہ کو لاؤ۔ وہ تو میری ماں کی دعا تھا۔ اسے مجھ سے کوئی کیسے چھین سکتا ہے۔ اس طرح حوصلہ ہارتے میں نے بجو کو کبھی نہیں دیکھا اور وہ محب اللہ کتنا پیارا تھا، نینا! میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ آنکھیں بند کیے ایسا لگ رہا تھا جیسے سو رہا ہے۔ میں نے اسے گود میں لے کر اتنا پیار کیا تھا۔ وہ مرا ہوا لگ ہی نہیں رہا تھا۔"

عروبہ آپی کے آنسو تھم نہیں رہے تھے۔ بجو کو ہوش آیا تو وہ دوبارہ رونے لگی تھیں۔ مصطفیٰ بھائی جو خود بھی بہت اداس لگ رہے تھے انہیں چپ کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میں اپنے بچے کو دیکھ بھی نہیں سکی۔ ایک بار مجھے دیکھ تو لینے دیتے۔ میں ایک بار اپنے محب اللہ کو پیار تو کر لیتی پھر لے جاتے اسے۔"

وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ میرے دل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہاں دوسرا کوئی اور موجود ہی نہیں صرف میں اور بجو ہیں۔ بجو کے ساتھ میں بھی رو رہی تھی زار و قطار۔ پھر اس رات میں نے پہلی مرتبہ خواب میں امی کو دیکھا۔ ایک اندھیری سڑک پر وہ تیز تیز چلتی جا رہی تھیں، میں ان کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ انہیں آوازیں دے رہی تھی مگر وہ مجھے نظر انداز کیے آگے ہی آگے جا رہی تھیں۔ پھر اچانک چلتے چلتے وہ رکیں اور مڑ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"کیوں آرہی ہو میرے پیچھے، میں تم سے نفرت کرتی ہوں، شدید نفرت۔"

یہ کہتے ہی وہ وہاں سے غائب ہو گئی تھیں اور اسی جگہ ایک چھوٹا سا بچہ بالکل ایسا جیسے ابھی پیدا ہوا ہو، میرے سامنے آگیا تھا "تم نے مجھے میری ماں کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھنے دی۔ میں اپنی جنم دینے والی ماں کو ایک نظر دیکھ تو لیتا پھر جو دل چاہتا کر لیتیں۔" میں اس بچے کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتی ہوئی بولی تھی۔

"دیکھو میں نے کچھ نہیں کیا۔ ایکسیڈنٹ میری

غلطی سے ہوا۔ مگر میں نے جان کر تو نہیں کیا تھا۔" میری بات سن کر وہ طنزیہ انداز میں ہنس پڑا تھا۔

"اور وہ تمیں منٹ' ان تیس منٹوں کا حساب کون دے گا۔ تمہیں بتاؤں نینا' تم قاتل ہو۔ تم نے مجھے قتل کیا ہے۔"

وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ میں زور زور سے رو رہی تھی جب میری آنکھ کھلی' پورا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ سامنے صوفے پر سالک بیٹھے خاموشی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرے چیخنے چلانے یا رونے پر انہوں نے اٹھ کر مجھ سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ نہ پانی پلایا نہ کوئی اور بات کی۔ ان کی نظروں میں عجیب سی کاٹ تھی۔

میں اسپتال سے گھر واپس آگئی مگر اس خواب نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ میں رات کو ڈر کے مارے سوتی نہیں تھی۔ میرا دل چاہتا میں سالک سے کہوں وہ بھی میرے ساتھ جاگتے رہیں' مجھ سے باتیں کریں تاکہ مجھے نیند نہ آئے۔ ممانی جان اور بچے بھی رات میں میرے سوتے سے اٹھ کر چلانے اور رونے سے پریشان ہوگئے تھے۔

وہ پہلے جو تھوڑی بہت بات چیت کرلیا کرتے تھے اب وہ بھی ختم ہوگئی تھی۔ مجھے ایسا لگتا تھا وہ میرے ساتھ ایک کمرے میں سوتے بھی صرف ممانی جان اور بچوں کی وجہ سے ہیں۔

♥ ♡ ♡ ♥
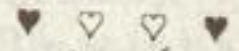
بجو کو شاید عروبہ آپی یا کسی اور کے ذریعے میری حالت کا پتا چلا تو مجھے دیکھنے آئی تھیں۔

"یہ کیا حالت بنالی ہے گڑیا' تم نے۔ بس وہ ایک ایکسیڈنٹ تھا اب کیا اسے زندگی بھر دل سے لگائے رکھیں گے۔"

"بجو! آپ کو نہیں لگتا ایکسیڈنٹ میری غلطی سے ہوا۔ اگر میں بروقت بریک پر پاؤں رکھ دیتی ایکسیڈنٹ نہ ہوتا۔" بے اختیار میرے منہ سے نکلا تھا۔

"کوئی حادثہ کسی انسان کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ اس سب کو اسی طرح ہونا تھا' تم کیوں بلاوجہ اتنی حساس ہو رہی ہو۔ ہمیشہ ہی سے جذباتی اور بے وقوف ہو۔ اب تو سمجھ دار ہو جاؤ۔" وہ شگفتگی سے بولی تھیں۔

عروبہ آپی اور اشعر بھائی جب سے واپس آئے تھے' امریکہ سیٹل ہو رہے تھے۔ بجو نے گھر پر ان لوگوں کی دعوت تھی' جس میں ہم لوگوں کو بھی بلایا گیا تھا۔ طہٰ اور سمیرا بھی آئے تھے۔ سالک تو میرے ساتھ کہیں آتے جاتے نہیں تھے میں اور بچے ہی وہاں گئے تھے۔

"بجو! جانے سے پہلے میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ جس بات پر میں آپ سے بدگمان ہوئی تھی' وہ دور تو تب ہی ہوگئی تھی' مگر میں نے آپ سے معافی نہیں مانگی۔ یہ احساس مجھے کچوکے لگاتا ہے۔" عروبہ آپی کچن میں ان کے پاس کھڑی کہہ رہی تھیں۔ میں بھی وہیں کھڑی تھی۔

"کس بات کی معافی۔؟" وہ حیران نظر آ رہی تھیں۔

"میرے اور اشعر کی شادی کے حوالے سے۔ بجو! میں نے آپ کو غلط سمجھا' مجھے معاف کردیں۔" وہ ان کے ہاتھ تھام کر بولی تھیں۔

"مجھے تو وہ بات یاد بھی نہیں تھی۔ تم نے ذکر کیا تو یاد آیا۔ میرے سارے ہی بہن بھائی ایک دم جذباتی ہیں۔" وہ سادگی سے ہنس رہی تھیں۔

اور عروبہ آپی نم آنکھیں لیے بے اختیار ان کے گلے لگ کر رو پڑی تھیں۔

گھر آکر میں اس رات بہت بے چین رہی تھی۔ پھر عروبہ آپی چلی گئیں تو میں کچھ اور اکیلی ہوگئی۔ فہمی تو پہلے ہی یہاں نہیں تھی۔ طہٰ' سمیرا اور اسد کو ساتھ لے کر اسکالر شپ پر جو گلاسگو گیا تو پھر وہیں کا ہی ہوگیا۔

ماہ و سال کا سفر جاری تھا۔ مگر میری زندگی میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔

سالک کا وہی انداز' ممانی جان کے بعد تو ان کی سرد مہری میں مزید شدت آگئی تھی' بچے ماں باپ میں دوری دیکھتے ہوئے ہی بڑے ہوئے تھے اس لیے کبھی مجھ سے کچھ پوچھا نہیں۔ ان کے نزدیک یہ بات شاید روٹین کا ایک حصہ بن گئی تھی۔ بیڈ روم بس ہمارا ایک تھا' ورنہ ہم میں کوئی تعلق نہ تھا۔ میں کبھی ان سے پلٹ کر اپنی خطا نہ پوچھ سکی تھی۔ میرے خوابوں نے آج تک میرا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ بس یہ تھا کہ کبھی کبھار مہینوں میں' میں وہی خواب دیکھتی اور پھر میری وہی کیفیت ہو جاتی جو ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔

"پاپا! مما کو کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھائیں۔" فائز نے ناشتہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے سالک کو مخاطب کیا تھا۔ رات تقریباً" ایک سال بعد میں نے پھر وہی خواب دیکھا

تھا۔

"ہاں نفسیاتی علاج کی تو انہیں سخت ضرورت ہے۔ محتشم! تم پتا کر کے کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے اپائنٹمنٹ لے لو۔" وہ طنزیہ مسکراہٹ میری طرف اچھالتے ہوئے بولے تھے۔

محتشم کو ان کے بات کرنے کا انداز شاید پسند نہیں آیا تھا' اس لیے وہ بغیر کوئی جواب دیے ٹیبل سے اٹھ گیا تھا۔ میری آنکھیں بے اختیار چھلک پڑی تھیں۔ میں نے ان خوشی کے آنسوؤں پر بمشکل بند باندھے تھے۔ میرا بیٹا مجھ سے کتنا پیار کرتا ہے۔ سالک نعمان! یہ محبت تو میری اپنی ہے' اسے تم چھین نہیں سکتے۔

محتشم کے بہت کہنے پر بھی میں سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے کے لیے تیار نہ ہوئی تھی۔

"تم لوگ کیا مجھے پاگل سمجھنے لگے ہو۔" میں اس پر ملامتی نظر ڈال کر چلائی تو وہ میری ناراضی دیکھتے ہوئے خاموش ہوگیا۔ میری سوشل لائف نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ لوگوں سے میل جول' فنکشنز' پارٹیز' مجھے ان سب سے وحشت ہوتی تھی۔ محتشم یا فائز کے ہی زیادہ اصرار کرنے پر میں کہیں جایا کرتی تھی۔ بس گھر پر اپنے بچوں کا انتظار کرتے' ان کے لیے کھانا پکاتے اور گھر کے دوسرے کام کرنے میں دن گزار دیا کرتی تھی۔

فائز فرسٹ ایئر میں آگیا تھا اور محتشم کراچی یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ جب وہاں پر بھی اس کی کلاس فیلو تھی۔ اسکول سے لے کر کالج اور پھر یونیورسٹی تک وہ دونوں ہمیشہ ایک ہی کلاس میں پڑھے تھے۔

اس روز میں لنچ پر محتشم کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھی۔ ان دونوں کو ذرا سی دیر ہو جاتی تو میری جان پر بن جایا کرتی تھی۔ فائز تو دیر سے آنے کا کہہ کر گیا تھا' مگر محتشم کیوں نہیں آیا۔ میں بے چینی سے بار بار گیٹ تک چکر لگا رہی تھی۔ فون کی بیل بجی تو میں بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔

"یااللہ' سب خیریت ہو۔" دوسری طرف سے آتی محتشم کی آواز سن کر میری جان میں جان آئی تھی۔

"مما! آپ کھانے پر میرا انتظار مت کیجیے گا۔ آج جب کو لینے ڈرائیور نہیں آیا تھا اس لیے میں اسے ڈراپ کرنے خالہ کے گھر آگیا اور آپ کو تو ان کا پتا ہی ہے'

روک لیا مجھے کھانے پر۔ اب خالہ کے ہاتھ کی بنی بیسن کی روٹیاں اور ٹماٹر کی چٹنی کھا کر ہی آؤں گا۔"

وہ چٹخارے لیتا ہوا شوخی سے بول رہا تھا۔ میں نے جواب میں کچھ بھی کہے بغیر ریسیور پٹخ دیا تھا۔ اور کچن میں آکر ہاٹ اینڈ ساور سوپ کا پورا پیالا سنک میں بہا دیا تھا۔ چکن جلفریزی کی پوری پتیلی اور فریج میں بنا کر رکھا ہوا لیمن ایڈ جو کالج اور یونیورسٹی سے واپسی پر محتشم اور فائز کے لیے تیار رکھا کرتی تھی' زور سے فرش پر پھینکا تو فیروز دوڑتا ہوا دیکھنے کے لیے آیا کہ کیا چیز ٹوٹ گئی ہے۔

"کیا ہوگیا بیگم صاحب۔"

"کچھ نہیں ہوا' دفع ہو جاؤ تم یہاں سے۔ گیٹ لاسٹ جاؤ یہاں سے۔" میں چلائی تھی۔

میں رات تک کمرے میں بند رہی تھی' کون آیا اور کون گیا' مجھے اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ "مما پلیز' دروازہ کھولیں۔" فائز بہت دیر سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ پھر اس آواز میں محتشم کی آواز بھی شامل ہوگئی تھی۔ وہ دونوں چیخ چیخ کر مجھ سے دروازہ کھولنے کے لیے کہہ رہے تھے میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو دونوں کی جان میں جان آئی۔ دونوں کی شکلیں بالکل رونے والی ہو رہی تھیں۔

"کیا ہوا مما' آپ اس طرح کمرے میں بند کیوں ہوگئی تھیں۔ ہم لوگ کتنا ڈر گئے تھے۔"

فائز بے ساختہ مجھ سے لپٹ گیا تھا۔ محتشم کی حالت بھی غیر تھی۔ ان دونوں کی پریشانی اور محبت بھرا انداز دیکھ کر میرے دل کو قرار آیا تھا۔

"مما! آپ مجھ سے ناراض ہوگئی تھیں' میں آپ کو بتائے بغیر چلا گیا تھا اس لیے۔ آئی ایم سوری مما لیکن میں نے فون تو کردیا تھا۔"

محتشم میرے کندھے پر سر رکھتا ہوا بولا تھا۔ میں ان کے دیر ہو جانے پر کس طرح پریشان ہو جاتی ہوں' اس سے وہ دونوں ہی باخبر تھے۔

"اور آج تو آپ میرے لیے چکن جلفریزی بنانے والی تھیں' میں نے کچن میں جا کر جھانکا تو وہاں تو کھانے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔" محتشم ٹھنکا تھا۔

"تم جا کر بیسن کی روٹیاں اور ٹماٹر کی چٹنی کھاؤ۔ تمہیں میری بنائی جلفریزی میں کیا دلچسپی۔" میں خفگی سے بولی تو محتشم قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"آپ جیلس ہو رہی ہیں ناں' خالہ سے۔"

"کیا بکواس ہے یہ۔" میں چلائی تھی' محتشم اور فائز دونوں کی ہنسی تھم گئی تھی۔ وہ میری چیخ پر حیران کھڑے تھے۔

"میں کسی سے جیلس نہیں ہو رہی۔ بات صرف یہ ہے کہ اگر تمہیں کہیں جانا بھی تھا تو تمہیں پہلی فرصت میں مجھے انفارم کرنا چاہیے تھا' میں اتنی دیر پریشان تو نہ ہوتی۔"

میں بمشکل خود کو سنبھال کر نارمل لہجے میں بولی تھی۔ مگر محتشم پتا نہیں کیوں پھر کچھ بولا نہیں تھا۔ وہ ایک دم چپ سا ہو گیا تھا' شاید میرا چیخنا اور ڈانٹنا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ میں ان دونوں کے ساتھ نیچے آئی تو سالک لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے' میرے سلام کا جواب بھی انہوں نے اسکرین پر سے نظریں ہٹائے بغیر دیا تھا۔ میں کچن میں آکر رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی تھی' فیروز بھی میری مدد کر رہا تھا' اس کی آنکھوں میں کچھ خوف سا نظر آرہا تھا' شاید دوپہر میں' میں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی غصے میں آگئی تھی۔ محتشم مجھ سے ناراض ہو اور میں سکون سے سو جاؤں۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔ بہت کچھ گنوا کر اب یہی تو میرا کل اثاثہ تھا۔

"ارے مما! آپ' آئیے' بیٹھیں۔" محتشم مجھے دیکھ کر کمپیوٹر کے سامنے سے اٹھ گیا تھا۔ میں بیڈ پر بیٹھ گئی تو وہ بھی میرے برابر میں آکر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے مما! آپ پریشان لگ رہی ہیں۔" وہ بغور میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں بلاوجہ اتنی سی بات پر غصے میں آگئی اور پتا نہیں کیا کیا کہہ دیا' سوری بیٹا! میری وجہ سے تم ہرٹ ہوئے۔" وہ میرے معافی مانگنے پر ایک دم پریشان سا ہو گیا تھا۔

"میں آپ سے ناراض نہیں مما! کیا آپ جیسی اچھی مما سے ناراض ہوا جا سکتا ہے۔" پھر میرا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے مسخرے پن سے بولا۔ "میرے دوست تو مجھ پر رشک کرتے ہیں کہ تمہاری مما تو ابھی تک چھوٹے بچوں کی طرح تمہاری کیئر کرتی ہیں۔ کاش ہماری امائیں بھی اتنا نہیں تو کم از کم وہ ہماری صرف پسند کا کھانا ہی پکا کر رکھ دیا کریں۔"

میں اس کی بات سن کر ہنس پڑی تھی۔ مجھے ہنستا دیکھ کر محتشم ایک دم مطمئن ہو گیا تھا۔

"مما! میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟" محتشم میری گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

میرے اثبات میں سر ہلانے پر وہ سنجیدگی سے بولا۔

"آپ کو خالہ اچھی نہیں لگتیں؟ پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے آپ کسی وجہ سے انہیں ناپسند کرتی ہیں۔ حالانکہ بظاہر ایسی کوئی بات نہیں۔"

میں محتشم کے منہ سے یہ بات سن کر ساکت رہ گئی تھی۔ وہ مجھ سے کتنا قریب تھا' میں اس سے کیا کہوں' کیا جواب دوں۔ وہ جواب طلب نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں بیٹا۔ بس وہ شروع ہی سے بجو کا بڑی بہنوں والا رعب رہا۔ اس لیے میری ان سے زیادہ انڈر اسٹینڈنگ نہیں' وہ مجھ سے ہیں بھی تو پورے آٹھ سال بڑی۔ میں انہیں ناپسند کیوں کرنے لگی۔" میں اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے بولی تھی۔

"مما! خالہ کتنی اچھی ہیں نا۔ وہ آپ سے بھی بہت پیار کرتی ہیں' آج مجھے کھانے کی میز پر انہوں نے آپ کے بچپن کے اتنے سارے واقعات سنائے۔ مجھے تو سن کر یقین ہی نہیں آیا۔ مما آپ اب کتنی بدل گئی ہیں۔ آپ کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں کہ آپ نے کبھی کوئی شرارت کی ہوگی' کبھی پڑوسیوں کے آم کے درخت پر کیریاں توڑنے چڑھی ہوں گی۔"

وہ شرارت سے مجھے دیکھ رہا تھا' اس کی باتیں سن کر میں ایک دم ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو گئی تھی وہی گھر وہ اس گھر کا بڑا سا صحن' یہ سامنے لاؤنج وہ ٹی وی کے پاس ابا کا تخت۔ میں پتا نہیں کیا کیا سوچے جا رہی تھی۔

✈ ✈

سالک محتشم کو پڑھنے کے لیے امریکہ بھیج رہے تھے۔ میرا دل اس بات سے بہت پریشان تھا مگر بیٹے کے چہرے پر نظر آتے خوشیوں کے رنگ مجھے اپنا ہر جذبہ اندر ہی چھپائے رکھنے پر مجبور کر رہے تھے' مجھے ناخوش دیکھ کر تو وہ کبھی بھی نہیں جا سکتا۔ میں بیٹے کے روشن مستقبل اور اس کی خوشیوں کا سوچ کر خاموش تھی۔ وہ بار بار مجھ سے پوچھتا۔

"مما! آپ ناراض تو نہیں۔ آپ مجھے یاد کر کے روئیں گی تو نہیں۔" اور میں بہادری سے ہنس دیتی۔

سالک خوشی خوشی اس کے جانے کے انتظامات کر رہے تھے' میں نے انہیں بہت عرصے بعد اتنا خوش دیکھا تھا۔ ذہین اور قابل بیٹا ہارورڈ یونیورسٹی پڑھنے جا رہا ہے۔ وہ اس بات سے بہت خوش تھے۔ مجھے سالک کی خوشی دیکھ کر اچانک ماموں یاد آگئے تھے' جب سالک پڑھنے گئے تھے' ماموں بھی اسی طرح خوش تھے۔ وقت کتنی تیزی سے گزرتا ہے' ہمارے بچے بڑے ہو گئے' عروبہ آپی نے تو یمنیٰ کی پچھلے سال شادی بھی کر دی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

محتشم کے جانے میں تین چار روز رہ گئے تھے' میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ کبھی کچن میں میرے پاس آکر کھڑا ہو جاتا' کبھی میرے کمرے میں آکر گھنٹوں باتیں کرتا' مگر جو بات کہنا چاہ رہا تھا' وہ کہہ نہیں پا رہا تھا۔

چھٹی کا دن تھا۔ میں لنچ کی تیاری میں مصروف تھی' محتشم تھوڑی تھوڑی دیر بعد آکر کچن میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

"مما! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

میں کچن سے باہر نکلی تو وہ میرے پاس آکر لجاجت سے بولا۔ لاؤنج میں بیٹھا فائز بھی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ بات اسے پہلے سے معلوم ہے۔ میں چلتی ہوئی لاؤنج ہی میں آگئی تھی۔

"ہاں بولو۔" میں نے کوئی خاص دلچسپی ظاہر کیے بغیر لاپروائی سے کہا۔

وہ میرے بالکل سامنے کارپیٹ پر بیٹھ گیا۔

"پہلے آپ پرامس کریں کہ میری بات مان لیں گی۔" وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بچوں کے سے انداز میں بولا تھا۔ وہ کہیں سے بھی بیس سال کا لڑکا نہیں لگ رہا تھا۔

"پلیز مما۔" وہ بضد تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ بظاہر اخبار پڑھنے کے باوجود سالک بھی ادھر ہی متوجہ تھے۔

"اچھا بولو' کیا بات ہے۔" میں ذرا سنجیدہ ہوئی۔

"مما! میں حبہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ پلیز ان کے گھر رشتہ لے جائیں۔ شادی جب میں واپس آؤں گا تب۔" وہ میری کیفیت سے بے نیاز بول رہا تھا۔

"مما! وہ بہت اچھی ہے' بالکل خالہ کی طرح۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے' اس میں ہر بات خالہ جیسی ہے' وہ انہیں کی طرح اچھی ہے' انہیں کی طرح سب سے پیار کرتی ہے ہر ایک کے دکھ درد میں شریک۔"

میرے زوردار تھپڑ نے اسے مزید کچھ بولنے نہیں دیا تھا۔ سالک نے اخبار ایک طرف رکھ دیا تھا۔ فائز بے اختیار صوفے پر سے اٹھ کر ادھر ہی آگیا تھا' محتشم آنکھوں میں شکوہ بھری حیرانی لیے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی یہ بات کرنے کی۔ میرے بیٹے ہو کر تم نے ایسی بات سوچی بھی تو کیسے۔ اس گھر میں میری بہو بن کر کوئی بھی لڑکی آسکتی ہے سوائے اس کے۔" میں پھنکاری تھی۔

"کیوں؟" محتشم کے بجائے سالک نے مجھ سے سوال پوچھا تھا۔ وہ عین میرے سامنے کھڑے چیلنج کرنے والے انداز میں مجھے دیکھ رہے تھے۔ ایک طنزیہ مسکراہٹ میرے لبوں پر پھیلی تھی۔

میں صوفے پر سے اٹھی اور ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "بہت خوب سالک نعمان صاحب! مجھے قتل کرنے کے لیے آلۂ قتل بھی میرے ہی گھر سے چنا گیا ہے۔ اپنا بدلہ لینے کے لیے میرے بیٹے ہی کو میرے مقابل کھڑا کیا ہے اس ناگن نے اور آپ اس کی معاونت کے لیے دل و جان سے تیار۔ کیا گٹس ہیں اس عورت میں' جو ساری دنیا اس کی عاشق ہے۔ مردوں کو پھنسانے کا ایسا طریقہ ہے کہ ایک بار جو اس جال میں پھنس جائے پھر کبھی نہیں نکلتا۔ مجھ سے بدلہ لینے کے لیے اس نے اکیس سال انتظار کیا۔"

"بند کرو یہ بکواس۔" وہ دھاڑے تھے۔ آنکھیں غصے سے پھٹ رہی تھیں۔ غیظ و غضب سے برا حال تھا مگر میں اس غصے سے متاثر نہیں ہو سکتی تھی۔

"بہت تکلیف ہو رہی ہے اپنی صباح کے بارے میں میرے کمنٹس سنتے ہوئے۔ ساری زندگی مجھے چین سے جینے نہیں دیا اس عورت نے' پہلے میرے شوہر کو اپنے قبضے میں رکھا اور اب کی [illegible] میرا بیٹا۔"

سالک نے ایک دم آگے بڑھ کر میرے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ پھر ایک نہیں' دوسرا اور پھر تیسرا تھپڑ مارا تھا۔

"پاپا! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ یہ کیا کر رہے ہیں۔" مجھے کہیں پاتال میں سے محتشم اور فائز کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان کے تھپڑوں سے میں صوفے پر گر گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا نہ پیروں کے نیچے زمین ہے نہ سر کے

اوپر آسمان۔ میں کہیں خلاؤں میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ بچوں کے سامنے یہ ذلت۔ وہ مجھ سے بات نہیں کرتے تھے، مجھے نظر انداز کرتے تھے، مگر اس طرح ذلیل کبھی نہ کیا تھا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"جاؤ چلے جاؤ یہاں سے تم......" انہوں نے فائز اور محتشم کو پیچھے دھکیلا تھا۔ انداز ایسا تھا کہ وہ دونوں ایک دم سہم کر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔

"یہ تھپڑ میں نے آج سے بہت سال پہلے مار دیا ہوتا تو ہماری زندگیاں ویسی نہ ہوتیں جیسی اب ہیں۔ کاش یہ تھپڑ اس روز مار دیا ہوتا جب میں نے اپنی دراز میں سے تین کارڈ غائب دیکھے تھے۔" وہ میرے سر پر کھڑے غرا رہے تھے، میں کانپتے وجود کے ساتھ ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"نینا توقیر! بہت سال میں نے تم سے نفرت کی، بہت سال، پھر ایک روز مجھے پتا چلا کہ تم سے نفرت کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی بھول ہے۔ اس لیے کہ محبت ہو یا نفرت، انسانوں سے کی جاتی ہے اور تم تو سرے سے انسان ہی نہیں ہو۔"

مجھے نینا توقیر کہہ کر انہوں نے اپنے نام کا فخر بھی مجھ سے چھین لیا تھا۔

"پہلے میں سوچتا تھا کہ صباح کی تم جیسی بہن کیوں ہے۔ بہت بعد میں جا کر یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ اگر تم نہ ہوتیں تو نور الصباح کی اچھائی اتنی غیر معمولی نہ لگتی۔" وہ طنزیہ ہنسے تھے۔ "اور تم نور الصباح سے حسد کرتی ہو۔ اس کی اچھائیوں سے۔ اس لیے کہ تمہیں پتا ہے تم سو دفعہ مرو اور پھر سو دفعہ زندہ ہو تب بھی اس جیسی نہیں بن سکتیں۔

"تم چاہتی ہو سب تم سے محبت کریں، صرف تمہیں چاہیں، بغیر کسی خوبی کے، صرف اس صورت کی بنیاد پر۔ تم نے زندگی بھر صرف خود سے محبت کی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی سگی اولاد سے بھی تم اس لیے محبت کرتی ہو کہ یہ جواب میں تمہیں چاہیں۔ تمہاری ہر جائز ناجائز بات مانیں۔ اگر تم محتشم اور فائز سے سچی محبت کرتیں تو ان کی خاطر کچھ بھی کر گزرتیں۔ محبت وہ تھی جو میں نے صباح سے کی۔ اس نے مجھ سے میرا اپنا آپ مانگا، تمہیں دینے کے لیے اور میں نے چپ چاپ اس کی بات مان لی۔ تم نے اس محبت کی پاکیزگی کو بھی داغدار کر دیا۔ وہ لفظ جو میں نے کبھی اس سے کہے نہیں تھے، تم نے انہیں طشت ازبام کیا۔ صرف اپنی بہن کو ذلیل کرانے کی دھن میں تم نے میری عزت کی بھی پروا نہ کی۔

مجھے اس روز تم سے شدید نفرت ہو گئی تھی۔ تب یہاں سے واپس جاتے وقت میں تمہیں گھر سے نکالنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ تمہیں، جس کو میں سمجھتا تھا کہ یہ لڑکی مجھ سے جنونی محبت کرتی ہے۔ مجھے لگتا تھا کہ ایک وقت آئے گا اس لڑکی کی محبت مجھے جیت لے گی، میں صباح کو بھول جاؤں گا۔ مگر اس روز مجھے اپنی خوش فہمیوں پر ہنسی کے ساتھ ساتھ رونا بھی آیا تھا۔ اس وقت اسی لڑکی نے جو تمہاری حریف ہے، جس سے تم نفرت کرتی ہو اس نے مجھے ایسا کرنے سے روکا تھا۔ میرے سامنے رو رو کر التجائیں کی تھیں۔ پھر صرف اس کی بات کی لاج رکھنے کی خاطر میں تمہیں برداشت کرتا رہا۔

پھر بہت سال میں نے خاموشی سے تمہارا تجزیہ کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ تمہیں کسی سے محبت نہیں۔ تم ایک خود غرض، کم ظرف اور گھٹیا عورت ہو۔ مگر پھر میرا یہ تجزیہ اس روز غلط ثابت ہو گیا جب تم نے ایک انسانی جان لے لی۔ اپنی ضد کی خاطر تم نے ایک انسان کو مار ڈالا۔

نبیل احمد نامی اس شخص نے تمہارے پاس میرا کارڈ دیکھ کر سب سے پہلے مجھے ہی کانٹیکٹ کیا تھا۔ مجھ سے بات کرتا وہ اس بات پر حیران تھا کہ میری بیوی سڑک پر کھڑی تھی اور کسی بھی گاڑی کو مدد کے لیے روک نہیں رہی تھی۔ مجھے اس کی سادگی پر بہت ہنسی آئی تھی۔ میں اسے کیا بتاتا، اس عورت نے تو حسد، نفرت اور انتقام کی آگ میں جلتے خود اپنی زندگی کی بھی پروا کیے بغیر جب ایکسیڈنٹ ہی جان کر کیا تھا تو کسی کو مدد کے لیے کیا پکارتی۔ پھر اس کے بعد میرا دل چاہا تھا کہ تمہیں دھکے مار کر اپنے گھر سے نکال دوں۔ اب کی بار کوئی نور الصباح بھی مجھے ایسا کرنے سے نہیں روک سکتی تھی مگر پھر میری آنکھوں کے سامنے میرے بچے آ گئے۔ ان کا اس سب میں کیا قصور تھا۔ انہیں کس بات کی سزا ملتی۔ اس دفعہ میں بچوں کی وجہ سے خاموش ہو گیا تھا اور اب تک خاموش ہی رہا۔

مگر جن بچوں کی خاطر میں نے تم جیسی عورت کے ساتھ اپنی پوری زندگی گزار دی، ان ہی کی خوشیاں اجاڑنے کی میں تمہیں اجازت نہیں دوں گا۔ جو میرے ساتھ ہوا، وہ میرے بچوں کے ساتھ نہیں ہو گا۔ میرے بچوں کو ان کی ہر خوشی ملے گی اور ان کی خوشیوں کے راستے میں کوئی نینا توقیر آئی تو میں اس کا سر کچل دوں گا۔"

وہ بولتے بولتے ہانپ گئے تھے۔

"ضروری نہیں کہ جیت ہر بار تمہاری ہی ہو۔ کم سے کم اب تو نہیں۔ میں مصطفیٰ اور صباح سے اس رشتے کی بات کر چکا ہوں۔ وہ تو محتشم کو ہی شوق تھا کہ میں ماں کے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔ اب یقیناً" اس نے ماں کی اصلیت اور اس کی محبت کی گہرائی کا اندازہ کر لیا ہو گا۔ پہلے میں نے سوچا تھا، صرف منگنی کروں گا مگر اب تو ان دونوں کا نکاح ہو گا اور اس میں تمہاری اجازت یا شرکت ہم میں سے کسی کو درکار نہیں۔"

کیسی کاٹ تھی اس لہجے میں، میرا سر اوپر نہیں اٹھ رہا تھا، یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں ابھی تک زندہ ہوں، اس سب کے بعد بھی۔

"اور آج جب بات کھلی ہے، تو میں تم سے اپنے دل میں موجود ہر بات کہہ دینا چاہتا ہوں۔ تم نے ساری زندگی نور الصباح سے حسد کیا، اس کا برا چاہا۔ مگر تمہارے برا چاہنے سے کیا اس کا برا ہو گیا؟۔ کبھی اس کے گھر جا کر دیکھو۔ وہ کتنی امیر ہے۔ اس کا شوہر سر سے پاؤں تک اس کا ہے۔ وہ اس سے والہانہ محبت کرتا ہے، وہ اپنے برسوں پہلے کے شک و شبے پر آج تک اپنی بیوی کے آگے معافیاں مانگتا ہے۔ اس کی عزت کرتا ہے، اس کی بیٹی اپنی ماں پر فخر کرتی ہے۔ سب، بہن بھائی، خاندان میں ہر ایک یہاں تک کہ تمہارا شوہر اور تمہارے بچے تک سب اس سے محبت کرتے ہیں۔ محتشم نے کچھ دیر پہلے اس کے بارے میں جو باتیں کی تھیں وہ اس کے اپنے دل کی آواز تھی۔ ایسا کہنے کے لیے میں نے اس سے نہیں کہا تھا۔ تم نے ہمیشہ اس کا اور اپنا مقابلہ کیا ہے نا۔ اب ذرا خود کو دیکھو۔ تمہارا شوہر محبت تو چھوڑ تم سے نفرت بھی نہیں کرتا۔ تمہاری زندگی میں کہیں سکون نہیں اور اس کی زندگی میں سکون ہی سکون ہے۔ تم راتوں کو چیختی ہو، تمہاری بداعمالیاں اور تمہارے گناہ تمہیں چین کی نیند سونے نہیں دیتے اور وہ اپنے شوہر کے بازو پر سر رکھے سکون کی نیند سوتی ہے۔ تمہارے حسد نے کم از کم نور الصباح کی زندگی میں تو کچھ کردار ادا نہ کیا۔ تمہاری اپنی زندگی، تمہارا گھر، تمہارا شوہر اور تمہارے بچے ساری زندگی اس کی قیمت ادا کرتے رہے۔

"تمہارے دل پر اللہ نے مہر لگا دی ہے نینا توقیر! تمہارا قلب سیاہ ہو چکا۔ تم سے تو تمہاری ماں تک ناراض ہی مر گئی۔ اور یہ سزا تو قدرت نے تمہارے لیے مقرر کر رکھی تھی۔ وہ ایک نفرت بھری نظر مجھ پر ڈال کر وہاں سے چلے گئے تھے۔

کیا میں واقعی اکیلی رہ گئی۔ کوئی بولتا کیوں نہیں۔ کہیں کوئی آہٹ کوئی آواز تک نہیں۔ یہ موت کا سا سکوت کیوں چھا گیا ہے ہر سو۔ کیا روز حشر آ چکا ہے۔ کیا گناہ و ثواب کا فیصلہ ہو چکا۔ کیا جہنم میں آگ دہکائی جا چکی۔ یہ میرا دل اندر ڈوب کیوں رہا ہے۔ ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے میں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر رہی ہوں اور یہ محتشم ایک دم تیزی سے میری طرف کیوں بڑھ رہا ہے۔ کیا اپنی نفرت کا اظہار کرنے۔

پلیز محتشم! میرے چاند، میرے لعل! تم تو میرے ساتھ اس طرح مت کرو۔ میں اسے اپنی طرف بڑھنے اور کچھ بھی بولنے سے روکنا چاہتی ہوں۔ مگر بہت کوشش کے باوجود بھی میرے ہونٹوں سے ایک لفظ تک نہیں نکل رہا۔ اور یہ میری آنکھیں آہستہ آہستہ بند کیوں ہو رہی ہیں۔ پتا نہیں یہ اندھیرا کیوں ہر طرف چھا گیا ہے اور یہ سامنے کون کھڑا ہے؟

اف میرے اللہ، محب اللہ، میرے سامنے کھڑا وہ بے ہنگم قہقہے لگا رہا ہے۔ "محب اللہ مجھے معاف کر دو۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔"

"کیوں آ رہی ہو میرے پیچھے میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ شدید نفرت۔"

"تم سے تو تمہاری ماں تک ناراض ہی مر گئی۔"

"تمہارے دل پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔"

"اور وہ تیس منٹ؟ ان تیس منٹوں کا حساب کون دے گا۔ تم نے مجھے قتل کیا ہے۔"

"نینا! کسی کو بلاؤ، نینا! مجھے بہت تکلیف ہے۔"

♥ ♡ ♡ ♥

"یہ بیماری کے خلاف بالکل نہیں لڑ رہیں۔ ایسا لگ رہا

ہے جیسے یہ ٹھیک ہونا ہی نہیں چاہتیں۔ جب تک مریض خود اپنی بیماری سے نہ لڑے کوئی ڈاکٹر کچھ نہیں کر سکتا۔"

"ڈاکٹر پلیز! میری مما کو بچالیں۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں بھی مر جاؤں گا۔" یہ اس قبر میں اتنی جانی پہچانی' اتنی مانوس سی آواز کہاں سے آئی تھی۔

"نینا پلیز! ہم لوگوں کی خاطر ٹھیک ہو جاؤ۔ پلیز نینا! آنکھیں کھولو۔ دیکھو میں تمہاری بجو ہوں۔"

"آپ سے زیادہ اہم میرے لیے کوئی بھی نہیں۔ دنیا کا ہر رشتہ آپ کے بعد ہے۔ آپ سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں۔ مجھے نہ حبہ سے کوئی مطلب ہے نہ خالہ سے' مجھے تو بس میری مما چاہئیں۔ پلیز مما! اپنے محتشم کی خاطر آنکھیں کھول دیں۔"

خدایا ایک پل کے لیے میری آنکھوں کو بصارت دے دے' میں اسے دیکھ لوں' ایک پل کے لیے میری زبان کو گویائی دے دے میں اسے بتا سکوں کہ۔ میرے لیے بھی دنیا کے ہر رشتے سے بڑھ کر اہم میرے بچے ہیں۔ خدایا صرف ایک پل۔ صرف ایک لمحہ۔ وہ مجھے پکار رہا ہے۔

"ڈاکٹر! دیکھیں میری مما کو ہوش آرہا ہے۔ دیکھیں وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہی ہیں۔" وہ زور زور سے پتا نہیں کیا کیا کہہ رہا ہے۔

♥ ♡ ♡ ♥
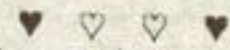
روتے بلکتے فائز کو سنبھالتے اور چپ کراتے میں نے ایک نظر سامنے بینچ پر بالکل خاموش بیٹھے محتشم پر ڈالی۔ پتا نہیں کتنے گھنٹوں سے وہ کچھ بھی نہیں بولا تھا۔ وہ آئی سی یو میں داخل تھی اور رات کے اس پہر ہم تینوں بینچوں پر بیٹھے ایک دوسرے کو حوصلہ دینے کی کوشش کر رہے تھے۔

"محتشم! فکر کی کوئی بات نہیں ہے بیٹا! تمہاری مما انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" میں اسے اس طرح گم صم دیکھ کر بے اختیار فائز کے پاس سے اٹھ کر اس کے برابر میں آکر بیٹھ گیا تھا۔

"پاپا! آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہو جائیں؟" اس نے بہت عجیب سے لہجے میں مجھ سے پوچھا تھا۔ ابھی میں جواب میں کچھ بول بھی نہیں پایا تھا کہ وہ دوبارہ بولا۔

"اس لیے نا کہ پھر جب آپ میری حبہ کے ساتھ شادی کروائیں تو وہ یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور انہیں پتا چل سکے کہ آپ کی طرح ان کے بچوں کو بھی ان کی کوئی پروا نہیں۔"

"محتشم!" میں نے اسے غصے سے دیکھا تھا۔ وہ کس قسم کی زبان میں میرے ساتھ بات کر رہا تھا۔

"پاپا! میری ماں' بہت بری عورت ہو سکتی ہے' بہت زیادہ بری۔ لیکن پاپا! آپ نے اس بری عورت سے شادی کی ہی کیوں تھی اور اگر کر لی تھی تو اسے ڈھنگ سے نبھایا کیوں نہیں؟ کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ بری کیوں بنی؟۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے' بہت سفاک لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

مجھے پتا تھا کہ وہ ماں کی وجہ سے' بہت پریشان ہے مگر پھر بھی یہ گستاخانہ انداز مجھ سے کسی طرح برداشت نہیں ہو پایا تھا۔

"محتشم! بی ہیو یور سیلف۔ تمہیں پتا ہے' تم کس سے بات کر رہے ہو۔" میں نے بہت سخت انداز میں اسے ڈانٹا تھا۔

"جی پاپا! مجھے اور فائز کو اس بات پر بولنے کا پورا پورا حق ہے۔ اس لیے کہ اندر آئی سی یو میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا وہ عورت ہماری ماں ہے۔ جس سے آپ نے شادی تو کر لی مگر اس سے کبھی محبت نہ کر سکے۔ والدین کے آپس کے تعلقات اولاد پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں آپ نے کبھی سوچنے کی کوشش کی؟۔ ہم نے کبھی اپنے ماں باپ کو ایک ساتھ بیٹھ کر ہنستے' باتیں کرتے نارمل لائف گزارتے نہیں دیکھا۔ ہمارے لیے بیرونٹ بھی روٹین کا حصہ نہیں بن سکی۔ آپ تو بہت پڑھے لکھے فارن کوالیفائیڈ ہیں آپ نے اس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ آپ دونوں کی دوری نے ہم دونوں کو کس طرح متاثر کیا۔ ہم نارمل بچے نہیں ہیں پاپا! میں اور فائز ہم دونوں۔ ہم ابنارمل ماں باپ کی ابنارمل اولاد ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

یک دم سر جھکا کر وہ اپنے آنسو مجھ سے چھپانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ میں ایک ٹک اس کی طرف دیکھتے ہوئے بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ میری اولاد کبھی یوں میرا محاسبہ کرنے کھڑی ہوگی میں نے یہ بات کبھی سوچی بھی نہیں تھی۔ فائز چپ چاپ بیٹھا ہم دونوں کو دیکھے جا رہا تھا۔

"آج آپ کی باتوں سے یہ گرہ کھلی ہے پاپا کہ آپ نے ان سے شادی کیوں کی تھی۔ آپ کا خالہ کے کہنے پر مما

سے شادی کر لینا محبت نہیں ایک ابنارمل پن تھا۔ وہ جو آپ کے پاس یہ کہنے چلی آئیں کہ میری بہن سے شادی کر لو' ان کا یہ کہنا ابنارملیٹی تھا۔ آپ کا مان جانا ابنارملیٹی تھا۔ آپ لوگوں نے ان کی ناجائز بات مانی ہی کیوں تھی۔ اگر وہ غلط تھیں تو صحیح تو آپ لوگ بھی نہیں تھے۔ انہوں نے زندگی میں بہت سے غلط کام کیے' مگر ان سے ان گناہوں کے سرزد ہونے میں کچھ نہ کچھ قصور تو آپ کا بھی تھا' خالہ کا بھی تھا۔ نانی کا بھی تھا۔ آپ نہ خالہ جیسے اچھے بن سکے نہ مما جیسے برے۔ آپ ساری زندگی ان سے نفرت کرتے رہے لیکن رہے انہیں کے ساتھ۔ یہ منافقانہ زندگی آپ نے کیوں جی؟ آپ نے انہیں برداشت بھی کیوں کیا؟ اور اگر کر ہی لیا تھا تو پھر اپنا ظرف بھی اتنا ہی بڑا کیا ہوتا۔"

بولتے بولتے وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا' میں خاموشی سے اسے روتے بلکتے دیکھ رہا تھا' اسے چپ کرانے کی میری ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

میں نے انہیں سب کچھ دیا مگر ایک نارمل زندگی نہ دے سکا۔ مگر ایک کمی ہوا انہیں پورے دل سے ہنسنے اور خوش ہونے سے روکتی ہے۔

♥ ♡ ♡ ♥
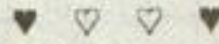
پتا نہیں آج شام سے ہی دل اتنا پریشان سا کیوں تھا۔ کوئی کام کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ رات کا کھانا بھی صرف مصطفیٰ اور حبہ کی وجہ سے مجبوراً" کھایا ورنہ ایک لقمہ کھانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اپنے دل کی بے کلی کو بے کار کا وہم قرار دے کر میں عشاء کی نماز پڑھتے ہی سونے لیٹ گئی تھی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد نیند بھی آگئی۔

"نور! میری نینا کہاں ہے؟" امی میرے سامنے کھڑی روتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ وہ بار بار ایک ہی جملے کی تکرار کیے جا رہی تھیں۔ "نور میری نینا" "نور میری نینا" میں بے اختیار ہڑبڑا کر اٹھ گئی تھی۔ میرا دل بالکل بھی قابو میں نہیں تھا' یہ کیسا خواب تھا۔ برسوں بعد امی کا خواب میں آنا اور وہ بھی اس طرح۔ وہ کتنی بری طرح مجھے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر رو رہی تھیں۔ برابر میں سوئے مصطفیٰ پر ایک نظر ڈال کر میں بیڈ پر سے اٹھ گئی تھی۔ دو تین گلاس ٹھنڈے پانی کے بھر بھر کر پیے۔ پھر خاموشی سے صوفے پر بیٹھ کر تمام سوچوں کو جھٹکنے کی کوشش کرنے لگی۔

کتنی دیر تک بیٹھی درود شریف پڑھتی رہی۔ دل ہی دل میں اپنی بہنوں اور بھائی کی سلامتی کی دعائیں مانگتی رہی۔ مگر دل کا اضطراب کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔ اچانک میں صوفے سے اٹھی اور موبائل اٹھا کر کمرے سے باہر آگئی۔ میرے ہاتھ خود بخود نینا کے گھر کا نمبر ملا رہے تھے۔ دوسری طرف سے فیروز نے فون اٹھایا تھا۔ میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی وہ بول پڑا۔

"اچھا آپ ہیں' میں سمجھا' ہاسپٹل سے فون ہوگا۔"

"ہاسپٹل؟" میرا دل بری طرح کانپا تھا۔

"ہاں وہ بیگم صاحبہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں ناں۔ دوپہر کو ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ صاحب لوگ انہیں اسی وقت ہاسپٹل لے گئے تھے۔ ابھی تک کوئی فون وہاں سے آیا ہی نہیں۔ جو پتا چلے کہ اب ان کی طبیعت کیسی ہے۔"

میں نے کس طرح روتے ہوئے مصطفیٰ کو اٹھایا تھا' مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ مجھے تسلی دینے کے ساتھ ساتھ سالک سے اس کے موبائل پر کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد ہم ہاسپٹل جا رہے تھے۔

ہاسپٹل پہنچ کر مصطفیٰ گاڑی پارک کرنے لگے تھے اور میں انہیں چھوڑ کر تیزی سے بھاگتی ہوئی اندر گھس گئی تھی۔ تھوڑی سی دیر ڈھونڈنے کے بعد مجھے کوریڈور میں ایک بینچ پر سالک اور محتشم اور دوسری پر فائز بیٹھے نظر آگئے تھے۔ میں تیزی سے ان لوگوں کی طرف بڑھی تھی۔ سالک اور محتشم آپس میں کچھ بات کر رہے تھے' ان لوگوں نے مجھے آتا نہیں دیکھا تھا۔

"آج آپ کی باتوں سے یہ گرہ کھلی ہے پاپا کہ آپ نے ان سے شادی کیوں کی تھی۔ آپ کا خالہ کے کہنے پر مما سے شادی کر لینا محبت نہیں ایک ابنارمل پن تھا۔ وہ جو آپ کے پاس یہ کہنے چلی آئیں کہ میری بہن سے شادی کر لو' ان کا یہ کہنا ابنارملیٹی تھی ـــــ آپ کا مان جانا ابنارملیٹی تھی ـــــ آپ لوگوں نے ان کی ناجائز بات مانی ہی کیوں تھی۔ اگر وہ غلط تھیں تو صحیح تو آپ لوگ بھی نہیں تھے۔ انہوں نے زندگی میں بہت سے غلط کام کیے' مگر ان سے ان گناہوں کے سرزد ہونے میں کچھ نہ کچھ قصور تو

آپ کا بھی تھا، خالہ کا بھی تھا، نانی کا بھی تھا۔ آپ نہ خالہ جیسے اچھے بن سکے نہ مما جیسے برے۔"

میرے آگے بڑھتے قدموں کو جیسے کسی نے زنجیر کر دیا تھا۔ میں بے حس و حرکت اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥
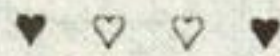
سمے کے سمندر، کہا تو نے جو بھی، سنا، پر نہ سمجھے
جوانی کی ندی میں تھا تیز پانی، ذرا پھر سے کہنا

آپ خود کو بہت اچھا سمجھتے ہوں۔ اپنے زندگی بھر کیے ہر عمل کا آپ کے پاس جواز موجود ہو مگر پھر ایک روز آپ کو پتا چلے کہ جو کچھ کیا وہ سب غلط تھا، تو بے اختیار دل چاہتا ہے کہ وقت کا پہیہ الٹا گھما دیں۔ اور اب زندگی کا بہت سا سفر طے کرنے کے بعد اچانک مجھے پتا چلا ہے کہ میں سراسر غلط تھا اور میری غلطیوں کی نشان دہی کرنے والا کوئی دوسرا نہیں میرا اپنا بیٹا ہے۔ نور الصباح، سالک نعمان اور نینا کیسی عجیب سی تکون تھی۔ نور الصباح جس سے میں نے بے حد و حساب محبت کی۔ اتنی کہ وہ میری جان بھی مانگتی میں دے دیتا اور ایسا ہی تو ہوا تھا وہ مجھ سے میرا اپنا آپ مانگنے آئی تھی اپنی بہن کو دینے کے لیے۔ شاید مجھے بھی نور الصباح جیسا اچھا بننے کی دھن تھی، اس سے سچی اور بے ریا محبت کا دعویٰ تھا اور اسی اچھا بننے کی دھن اور محبت کی سچائی ثابت کرنے کی خواہش نے مجھ سے وہ غلط فیصلہ کروایا تھا۔ لیکن میں اسے نبھا نہیں سکا، ساری زندگی نینا سے لاتعلق رہ کر گزار دی۔

میں کیا تھا؟ کیا کوئی کھلونا جو ایک بہن نے دوسری بہن کی خواہش پر اسے عنایت کر دیا تھا۔ وہ دونوں بہنیں شدت پسند تھیں۔ دو بہنوں کی اس شدت پسندی کے بیچ میں کہاں تھا؟ کاش میں نے نور الصباح جیسا بننے کی کوشش نہ کی ہوتی۔ میں ایک عام آدمی ہی رہتا۔ ایک عام سا انسان۔ نینا کی غلطیوں پر نہ میں نے اسے کبھی معاف کیا نہ سزا دی۔ بس اس سے لاتعلقی اختیار کر لی۔ کاش میں نے اسے نظرانداز کرنے کے بجائے اسے پاس بٹھا کر پوچھا ہوتا کہ اس نے مصطفیٰ کو کارڈز کیوں بھیجے؟ میں اس سے بات کرتا، وجہ جاننے کی کوشش کرتا تو شاید کوئی نہ کوئی سرا ہاتھ لگ ہی جاتا۔ مگر میں نے بجائے کچھ کہنے سننے کے اسے ایک دم خود سے بہت دور کر دیا تھا۔

اور پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ ہم ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے تھے۔ میں نے کبھی اسے سمجھنے کی کوشش نہ کی۔ اور جو کچھ بھی تھا، وہ میری بیوی تو تھی، میرے بچوں کی ماں تو تھی۔ اس نے ایک بیوی اور ایک ماں ہونے کی حیثیت سے کبھی اپنے فرائض ادا کرنے میں کوئی کوتاہی تو نہیں کی تھی۔ اس سے بیگانگی برت کر میں نے اس کی نفسیاتی الجھنوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا۔ اسے نفسیاتی مریض بنانے والوں میں، میں بھی شامل ہوں۔

صباح! تمہاری اچھا بننے کی خواہش نے کتنے دلوں کا نقصان کر ڈالا۔ تم یہ کیوں چاہتی تھیں کہ سب تمہیں اچھا سمجھیں۔ نینا بھی۔ وہ بھی تمہاری عظمتوں کے گن گائے۔

صباح! وہ تمہیں اپنے جیسی ایک عام سی لڑکی کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی مگر تم اس کا مسئلہ سمجھے بنا پے در پے اس کے لیے قربانیوں پر قربانیاں دیتی چلی گئیں۔

ہم میں سے کسی نے کبھی اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بری نہیں تھی، صرف الجھنوں کا شکار تھی۔ اس کے باوجود اس کے اندر اچھا بننے کی لگن تھی۔ اگر ہم اس سے پیار کرتے تو شاید وہ ایسی نہ ہوتی۔ ہاں محتشم تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا اگر نینا ابنارمل تھی تو نارمل تو ہم لوگ بھی نہیں تھے۔ نہ میں نہ نور الصباح۔

لیکن آج میں محسوس کر رہا ہوں، نینا میری زندگی کا حصہ تھی، میرا گھر اس سے آباد تھا۔ آج وہ نہیں ہے تو گھر قبرستان محسوس ہو رہا ہے۔ اس پاگل سی لڑکی نے میرے دل کے کسی کونے میں خاموشی سے اپنی جگہ بنالی تھی۔ میں یہ بات اسے کس طرح جتاؤں۔
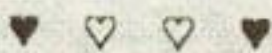
♥ ♡ ♡ ♥

"انہوں نے زندگی میں بہت سے غلط کام کیے، مگر ان سے ان گناہوں کے سرزد ہونے میں کچھ نہ کچھ قصور تو آپ کا بھی تھا، خالہ کا بھی تھا، نانی کا بھی تھا۔"

ہاسپٹل کے اس یخ بستہ اور خاموش کوریڈور میں دیوار سے ٹیک لگائے میں مسلسل محتشم کے کہے الفاظ سوچے جا رہی تھی۔

کل رات جو کچھ وہ سالک سے کہہ رہا تھا اس سب نے مجھے بھی بہت سی باتیں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ باتیں

جنہیں میں اپنے لاشعور میں چھپائے بیٹھی تھی۔ قصداً انہیں سوچنے سے گریز کرتی تھی۔ وہ سب سن کر ماضی کا ایک ایک لمحہ' گزرا ہر ہر پل ایک دم میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا ہے۔

میں سب سے محبت کرتی تھی' اپنے گھر والوں سے لے کر دنیا کے ہر آدمی تک میں سب سے محبت کرتی تھی۔ میری اس محبت کو سب لوگ مانتے تھے مگر وہ میری حسین بہن نینا' وہ پتا نہیں کیوں مجھ سے متنفر رہتی تھی۔ وہ کتنی خوب صورت تھی میری فرینڈز اکثر اسکول سے واپسی میں میرے ساتھ ہمارے گھر صرف نینا کو دیکھنے کے لیے آجایا کرتی تھیں۔ ابا میاں کی وفات کے بعد وہ پتا نہیں کیوں مجھ سے کھنچی کھنچی رہنے لگی تھی۔ جان کر مجھے نظر انداز کرتی۔ جانتے بوجھتے ایسی باتیں کرتی جن سے مجھے تکلیف پہنچے' اور میں اس کی ہر غلطی سے صرف نظر کرتی گئی۔

مگر میں غلط تھی۔ میں اسے سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔ وہ میرے صبر کی حد آزمانا چاہتی تھی۔ مگر وہ ایسا چاہتی کیوں تھی۔ آخر اسے مجھ سے کس بات کی پرخاش تھی۔

ذرا غور کروں تو ساری گتھیاں اپنے آپ سلجھتی چلی جاتی ہیں۔ وہ بہت حساس تھی۔ بچپن سے اس نے اپنی صرف تعریفیں سنی تھیں۔ اس کی اس عادت کو ابا میاں اور امی کی بے تحاشا چاہت نے مزید پروان چڑھایا۔ مگر ابا میاں کی وفات کے بعد جب ہم لوگ کرائسس میں آئے اور معاشی مسائل اور آنے والے وقت کی فکر میں ڈوب کر امی نے اس کو نظر انداز کیا تو اسی وقت سے اس میں باغیانہ کیفیت پیدا ہونی شروع ہو گئی۔

وہ اس وقت بہت چھوٹی تھی' اسے حالات کا اندازہ اور مسائل کا ادراک کرنا نہیں آیا' وہ بس یہ سمجھی کہ باپ کے مرتے ہی اس کی ماں بھی اس سے چھن گئی ہے اور وہ اس سب کا قصوروار مجھے سمجھنے لگی تھی۔ کیونکہ امی ان دنوں میرا ضرورت سے زیادہ خیال رکھنے لگی تھیں۔

مگر یہیں امی سے غلطی ہوئی۔ وہ لڑکی بے تحاشا چاہے جانے اور ہر طرف سے محبتیں سمیٹنے کی عادی ہو چکی تھی۔ وہ اپنے نظر انداز ہونے کو سہ نہیں پائی اور اس شخصیت سے نفرت کرنے لگی جس کی وجہ سے اسے نظر انداز کیا جا رہا تھا۔ یہیں سے اس کی نفسیاتی الجھنوں کا آغاز ہوا تھا۔

امی نے اس پر غیر ضروری سختی' بلاوجہ کی روک ٹوک اور تنقید کر کے اور میں نے اس کی غلطیوں پر چشم پوشی والا رویہ اختیار کر کے اسے مزید اسی آگ میں دھکیل دیا۔ وہ جان کر مجھے تکلیف پہنچانے والے کام کرتی رہی اور میں اسے معاف کرتی رہی' یہاں تک کہ ایک روز وہ میری ضد میں مجھ سے میری سب سے قیمتی چیز مانگنے آگئی۔ سالک نعمان میرا اولین خواب۔ میری بچپن کی محبت۔ وہ میرا سب سے پیارا دوست تھا' میرا رازدار' میرا ہمدم' میرا غم گسار۔ میرا ہاتھ تھام کر اس نے ہر مشکل میں میرا ساتھ دیا۔ وہ میرے چہرے سے میرے اندر کی ہر بات جان لیا کرتا تھا۔ مجھے سب سے پہلے یہ بات بھی اسی نے بتائی تھی کہ میں بہت سی خوبیوں کی مالک اور دوسروں سے منفرد ہوں۔ اس نے کبھی مجھ سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا مگر اس کے کہے بنا میں اس بات کو پوری شدت سے محسوس کرتی تھی۔ میں اس کے مقابلے میں بہت معمولی سی تھی مگر اس کی بے تحاشا چاہت نے مجھے کبھی یہ سوچنے ہی نہ دیا کہ میں اس کے مقابلے میں بہت کم صورت اور عام سی ہوں۔ اس کا رشتہ میرے لیے آیا تو میرے ساتھ ساتھ امی بھی اس بات پر بہت خوش ہوئی تھیں۔ مگر وہ نینا کتنے سرد اور سپاٹ سے انداز میں میرے سامنے آکھڑی ہوئی تھی اور میں نے بجائے اسے سمجھانے یا ڈانٹنے کے' اس کی بات مان لینے کا فیصلہ کیا تھا اور میرا یہ ایک غلط فیصلہ آگے کتنے غلط فیصلوں کا موجب بنا تھا۔ میں اس کے سامنے اچھا بننا چاہتی تھی۔

مگر مجھے اچھا بننے کی چاہ تھی' سالک کو تو نہیں۔ کیوں میں نے اسے ایک ایسی قربانی دینے کے لیے مجبور کیا تھا جو وہ دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ کتنا مجھ سے لڑا تھا' کتنا اس نے انکار کیا تھا مگر میں نے اپنی محبت کا واسطہ دے کر اس سے وہ ناجائز بات منوالی تھی۔ میں دوسروں کی زندگی بھی خود کیوں جینا چاہتی تھی۔ یہ کیوں چاہتی تھی کہ سب اسی طرح رہیں جیسے میں چاہتی ہوں۔ وہ کوئی بے جان مجسمہ تو نہیں تھا ایک جیتا جاگتا انسان تھا۔

وہ دو انسان جو ایک دوسرے سے سرے سے محبت کرتے ہی نہیں تھے' انہیں میری اس خواہش نے ساری زندگی ایک ساتھ گزارنے پر مجبور کر دیا۔ وہ ساری زندگی ندی کے دو کناروں کی طرح ساتھ ساتھ تو چلے مگر ایک دوسرے سے ملے کبھی نہیں۔ وہ نینا تو صرف مجھے انکار کرتے ہوئے سننا چاہتی تھی۔ مگر میں دوسروں سے سن سن کر خود کو سچ مچ دیوی سمجھنے لگی تھی۔

"تم اس دنیا کی نہیں لگتیں۔ تم جیسا ہونا مشکل ہے۔" یہ جملے سن سن کر میں نے خود کو عام انسانوں سے اونچا کوئی خاص انسان سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ بہت اچھا بننے کی خواہش میں' میں بے حس ہو گئی تھی۔

نینا کی اس حرکت پر میرا شوہر مجھ سے بدگمان اور دور ہو گیا تھا اور میں اسے اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کرنے کے بعد مکمل خاموش ہو گئی تھی۔ اگر بے حس نہ ہوتی تو نینا کو اس غلط حرکت پر برا بھلا ضرور کہتی۔ پھر وہ محب اللہ۔ کیا نینا ایسا بھی کر سکتی تھی۔ کیا میری بہن میرے ساتھ اس طرح بھی کر سکتی تھی میں نے مہینوں یہ بات سوچی تھی۔ میں تو اس بات پر بھی اس سے اس طرح نفرت نہیں کر سکی تھی جیسی مجھے کرنی چاہیے تھی۔ میں عام انسانی جذبات' احساسات اور ان کے اظہار کرنے کا طریقہ ہی بھول گئی تھی۔

نینا تم مجھے ایک عام لڑکی کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھیں۔ تم ٹھیک سوچتی تھیں نینا! میں واقعی ایک عام سی لڑکی تھی۔ عام سی لڑکی جو خاص بننا چاہتی تھی۔ ہاں میں بھی اتنی ہی خود غرض تھی جتنا ایک عام آدمی ہوتا ہے۔ سب کی نظروں میں اچھا بننا میری خود غرضانہ سوچ ہی تو تھی۔ سب کا خیال رکھنا' سب کی فکر کرنا اس سب کے پیچھے کہیں نہ کہیں خود نمائی تو بہرحال شامل تھی۔ خود کو دوسروں سے چھپا کر خاص بننے کے چکر میں آج میں بالکل اکیلی رہ گئی ہوں۔ یوں لگتا ہے ایک پہاڑ کی چوٹی ہے جس پر میں تنہا کھڑی ہوں' میں رو نہیں سکتی' اپنا دکھ درد کسی سے نہیں کہہ سکتی۔ اس لیے کہ دیویاں نہ تو روتی ہیں اور نہ ہی انہیں کوئی دکھ ہوتا ہے۔ لوگ اپنے دکھ درد رونے ان کے پاس آتے ہیں لیکن دیویاں اپنا دکھ کس سے کہیں وہ تو سب سے بلند ہیں۔

میری سب کو خوش کرنے کی خواہش نے کتنے لوگوں کو دکھی کر دیا۔ کتنی نادان تھی میں جو یہ چاہتی تھی کہ سب مجھ سے خوش رہیں۔

♥ ♡ ♡ ♥
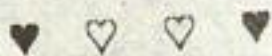
آج اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوئے چوتھا دن ہے۔

ہم میں سے ہر ایک رو رو کر اس کی صحت یابی کے لیے دعائیں مانگ رہا ہے۔ محتشم اور فائز کتنے پریشان اور مضطرب ہیں، سالک کتنا نڈھال سا لگ رہا ہے۔

بس وہ جلدی سے ٹھیک ہو جائے، واپس ہماری دنیا میں آجائے۔ اسی طرح ہماری زندگیوں میں شامل ہو جائے جیسے پہلے تھی۔ مگر وہ پتا نہیں کیوں اس طرح کر رہی ہے۔ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی بیماری سے لڑ نہیں رہی۔ اس کی ول پاور جیسے بالکل ختم ہو گئی ہے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے وہ ٹھیک ہونا اور زندہ رہنا چاہتی ہی نہیں ہے۔ نینا اپنے پیاروں کی خاطر واپس آجاؤ۔ نینا سب تم سے محبت کرتے ہیں، تمہیں چاہتے ہیں۔

تم اچھا بننا چاہتی تھیں نا نینا۔ تو اچھائی تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے جیو جو تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔

♥ ♡ ♡ ♥
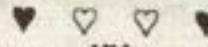
"امی کو ہوش آگیا۔" محتشم نے خوشی سے بے قابو آواز اور جھلملاتی نگاہوں سمیت یہ اطلاع ہم لوگوں کو آکر دی ہے۔ محتشم اور فائز اندر چلے گئے ہیں۔ میں باہر ہی رکا ہوا ہوں۔ اس وقت اسے صرف اور صرف اپنے بچوں کی ضرورت ہے۔ وہ ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے اپنے بچوں کو دیکھنا چاہے گی۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ ان سے یہ یقین دہانی چاہتی ہے کہ وہ ہمیشہ اسے چاہتے رہیں گے۔ ان کی محبت میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ چاہے ساری دنیا اسے چھوڑ دے مگر وہ تب بھی اسے نہیں چھوڑیں گے اور وہ دونوں اس وقت اسے یہی یقین دلا رہے ہوں گے۔ اور فائز روتا مچلتا اس کی بانہوں میں چھپنے کے لیے بے قرار ہو تا کہہ رہا ہو گا "مما! جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ آپ کے بغیر ہمارا گھر قبرستان لگنے لگا ہے۔"

♥ ♡ ♡ ♥
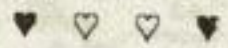
"تم سو دفعہ مرو اور پھر سو دفعہ زندہ ہو، تب بھی اس جیسی نہیں بن سکتیں۔"

وہ میرے پاس بیٹھی پتا نہیں کیا کیا بول رہی تھیں، میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ مجھے اپنے ہاتھ سے سوپ پلاتی وہ شاید میرا دھیان بٹانے کے لیے ادھر ادھر کی لایعنی باتیں کر رہی تھیں۔

"تم نے ساری زندگی نور الصباح سے حسد کیا۔ اس کا برا چاہا مگر تمہارے برا چاہنے سے کیا اس کا برا ہو گیا۔"

میں ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"کیا ہوا نینا؟" وہ میرے اس طرح رو پڑنے پر پریشان ہو گئی تھیں۔

"بجو! مجھے معاف کر دیں، بجو! مجھے معاف کر دیں۔ میں نے ہمیشہ آپ کو دکھ دیے، ہمیشہ آپ کو تکلیف پہنچائی۔" الفاظ خود بخود میرے ہونٹوں سے پھسل رہے تھے۔ وہ مجھے چپ کراتے کراتے یک دم بالکل خاموش ہو گئی تھیں۔

"اور آج آپ یہ مت کہیے گا کہ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا، اس سب کو یوں ہی ہونا تھا۔ اس سب کو یونہی نہیں ہونا تھا بجو۔ سب کچھ برا میری وجہ سے ہوا میں نے کیا۔ وہ محب اللہ کو بھی۔" میں زار و قطار رو رہی تھی۔ وہ میرے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھی تھیں۔

اچانک وہ اٹھ کر میرے برابر میں آکر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ میرا سر انہوں نے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ "میں نے تمہیں معاف کیا نینا! صدقِ دل سے معاف کیا۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی تھیں۔

"واقعی آپ نے مجھے معاف کر دیا؟" میں نے ان کی بانہوں سے نکل کر بے یقینی سے پوچھا تھا۔ انہوں نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

"مگر وہ محب اللہ مجھے معاف نہیں کرتا، امی مجھے معاف نہیں کرتیں، یہ لوگ مجھے کیوں نہیں معاف کرتے۔ وہ محب اللہ مجھے خوابوں میں آکر ڈراتا کیوں ہے۔ امی میری بات کیوں نہیں سنتیں۔" میں نے ان سے شکایتی انداز میں کہا تھا۔

"اب نہیں آکر ڈرائے گا وہ تمہیں خواب میں۔ تم نے اپنی غلطیوں پر سچے دل سے توبہ کر لی ہے نا، اب وہ کبھی بھی نہیں آئے گا۔" انہوں نے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔ "اور نینا امی تو تم سے کبھی بھی ناراض تھیں ہی نہیں۔" وہ دوبارہ بولی تھیں۔ میں نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ شاید مجھے بہلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں نینا! امی تم سے ناراض نہیں تھیں۔ انہیں وقتی طور پر تم پر غصہ آیا تھا، جو بعد میں خود بخود ہی اتر بھی گیا تھا۔ تم خود ماں ہو۔ ذرا بتاؤ اگر محتشم اور فائز میں سے کوئی تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی کرے، تمہاری حکم عدولی کرے تو تمہارا ردِ عمل کیا ہو گا۔ فوری

طور پر تمہیں بہت غصہ آئے گا۔ تم ان سے ناراض بھی ہو جاؤ گی۔ مگر یہ ناراضی کتنی لمبی چلے گی، ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ۔

تم نے تو ایسا کچھ کیا بھی نہیں تھا جس پر وہ تمہیں کبھی معاف کر ہی نہ پاتیں۔

بات تو صرف اتنی سی ہے کہ تم ان سے بہت شدید محبت کرتی تھیں۔ شاید ہم سب بہنوں اور بھائی سے زیادہ۔ یہ محبت ہی تھی جو تمہیں یہ احساس دلاتی تھی کہ تم نے ان کو دکھ پہنچایا ہے۔ امی تم سے وقتی طور پر خفا ضرور ہوئی تھیں۔ بعد میں ان کا دل تمہاری طرف سے بالکل صاف ہو گیا تھا۔ امی میرے خواب میں آئی تھیں، وہ تمہارے لیے پریشان تھیں۔" وہ میرے ہاتھ تھام کر بہت پیار سے مجھے سمجھا رہی تھیں۔

میرا دل چاہ رہا تھا کہ سب لوگوں کی طرح آج میں بھی ان سے یہ بات کہوں، بجو آپ اس دنیا کی نہیں لگتیں۔

"ان سب سوچوں کو ذہن سے جھٹک دو نینا! جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ اپنے گھر کی خاطر۔ اپنے شوہر اور بچوں کی خاطر۔ تم نے دیکھے ہیں محتشم اور فائز کے چہرے۔ تمہاری بیماری نے انہیں کتنا اداس اور پریشان کر دیا ہے۔" وہ جانے کے لیے کھڑے ہوتے ہوئے مجھ سے بولی تھیں۔ میں چپ چاپ ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ وہ خدا حافظ کہہ کر پلٹیں تو بے اختیار میں انہیں پکار بیٹھی۔

"بجو! حسب مجھے دے دیں۔ اگر آپ نے واقعی مجھے معاف کر دیا ہے تو اسے میرے محتشم کی دلہن بنا دیں۔" وہ میری بات پر بلا تامل بولی تھیں۔

"حسب تمہاری ہی ہے نینا!" میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ ان سے ان کی کوئی چیز حسد اور نفرت میں نہیں محبت میں مانگی تھی اور انہوں نے تو مجھے کبھی بھی مایوس کیا ہی نہیں تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥
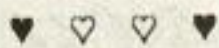
"کھڑکی کھول دوں؟ باہر موسم بہت خوبصورت ہو رہا ہے۔" سالک نے مجھ سے پوچھا تھا، پھر میرے جواب دینے سے پہلے ہی اٹھ گئے تھے۔

آج مجھے ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو جانا تھا اور اتنے سارے دنوں میں یہ پہلا موقع تھا جب میں اور وہ کمرے میں ایک دوسرے کے ساتھ بالکل تنہا تھے۔ وہ کھڑکی کھولنے کے بعد کچھ دیر تک کھڑے باہر ہوتی بارش کا نظارہ کرتے رہے۔ میں خاموشی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انہیں شاید میری نظروں کا احساس ہوا تھا تب ہی ایک دم انہوں نے گردن موڑ کر میری طرف دیکھا تھا۔ مجھے اپنی سمت دیکھتا پا کر وہ تھوڑا سا مسکرائے تھے۔ میں مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔

وہ واپس میرے پاس آکر بیٹھ گئے تھے۔ "سیب کاٹوں تمہارے لیے؟" انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا۔ میرے نفی میں سر ہلا دینے کے باوجود وہ پلیٹ اور چھری اٹھا کر سیب کاٹنے لگے تھے۔

اس شخص کا دل اجاڑ دینے کا گناہ بھی تو میرے ہی سر ہے۔

"سالک! آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں جانتی ہوں، معاف کر دینا اتنا آسان نہیں لیکن۔" میں نے ایک نظر ان پر ڈال کر آہستگی سے کہا تھا۔

"نہیں نینا! معافی تو مجھے مانگنا چاہیے۔ میں نے ان گزرے دنوں میں یہ بات جان لی ہے کہ اگر تم نے کچھ غلطیاں کی تھیں تو سو فیصد درست تو میں بھی نہیں تھا۔ مجھ سے بھی بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ مگر کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ان گزری باتوں کو بھول جائیں۔ یہ سمجھیں کہ اب تک ہم ایک اندھیرے غار میں بھٹکتے پھر رہے تھے اور اب ہمیں اس میں سے نکلنے کا راستہ مل گیا ہے اور اب ہمیں اس راستے پر چلنا ہے۔" انہوں نے پلیٹ میرے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"نینا! تم میری بیوی ہو، میرے بچوں کی ماں، میری زندگی کا حصہ۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ ہمیں اب اپنے بچوں کے لیے جینا ہے۔ ان کی خوشیوں کے لیے۔" میرے ہاتھوں کے اوپر اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے وہ ہمیشہ سے مختلف اور محبت بھرے انداز میں مجھ سے مخاطب ہوئے تھے۔

میں نے آنسو بھری نگاہوں کے ساتھ ان کی بات کی تائید میں گردن ہلا دی تھی۔